مجلس انصار اللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلہ

انصار الدین

جلد ۱۸ نمبر ۵

ستمبر و اکتوبر ۲۰۲۱ء تبوک و اخاء ۱۴۰۰ء ہجری شمسی محرم و صفر۔ربیع الاول ۱۴۴۳ ہجری قمری





MASROOR EYE INSTITUTE

assigned to Majlis Ansarullah UK by beloved Huzoore Aqdas, Mirza Masroor Ahmad, Khalifa-tul-Masih V (may Allah be his Helper).



2 Operating Theatres



8 Bed Ward



250 Seat Auditorium



2 Private Rooms



6 Consultant Rooms

SADQA JAARIYA

Millions of people, including children, are suffering with an eye disease called "Cataract". They are at the risk of blindness if not cured in time.



MAJLIS ANSARULLAH UNITED KINGDOM

Masroor Eye Institute, Burkina Faso
A Project of Majlis Ansarullah UK

Web https://mei2020.org
Call 020 8874 6630
Email helpdesk@ansarullahuk.org











Catering for all eye illnesses and treatments in Burkina Faso including the whole of West Africa











- Operating Theatres
- Inpatient Facilities
- Outpatient Diagnostics
- Consulting Rooms
- Optometrist & Opticians
- Laboratory
- Pharmacy
- 250-Seat Auditorium
- Teaching Facilities
- Telemedicine Options

STATE OF THE ART LATEST EQUIPMENT

Our humble request is for donations and regular payment arrangements towards this noble cause.

Scan & Donate



Standing Order



We can provide further information and assist you in setting up your regular donations.

020 8874 6630



مجلس انصار اللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ

ستمبر و اکتوبر 2021ء

انصار الدین

جلد 18 نمبر 5



انصار اللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ آخر دم تک جدو جہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاء اللہ)

فہرست مضامین

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

صدر مجلس: ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن
قائد اشاعت: نعیم گلزار
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: صفدر حسین عباسی، میر انجم پرویز
ڈیزائننگ: عامر ملک

Ansaruddin
33 Gressenhall Road,
SW18 5QH London
United Kingdom
E: ansaruddin@ansarullahuk.org

درس القرآن

فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَالنُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ (التغابن:9)

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ احسان عظیم ہے کہ انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر ایسا دماغ عطا فرمایا جس کے استعمال سے وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ باقی مخلوق اور ہر چیز کو نہ صرف اپنے زیر نگیں کر لیتا ہے بلکہ اس سے بہترین فائدہ اٹھاتا ہے اور ہر نیا دن انسانی دماغ کی اس صلاحیت سے نئی نئی ایجادات سامنے لا رہا ہے۔ جو دنیاوی ترقی آج ہے وہ آج سے دس سال پہلے نہیں تھی اور جو دنیاوی ترقی آج سے دس سال پہلے تھی وہ 20 سال پہلے نہیں تھی۔ اسی طرح اگر پیچھے جاتے جائیں تو آج کی نئی نئی ایجادات کی اہمیت اور انسانی دماغ کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن کیا یہ ترقی جو مادی رنگ میں انسان کی ہے یہی اس کی زندگی کا مقصد ہے؟ ہر زمانے کا دنیا دار انسان یہی سمجھتا رہا کہ میری یہ ترقی اور میری یہ طاقت، میری یہ جاہ وحشمت، میرا دنیاوی لہو ولعب میں ڈوبنا، میرا اپنی دولت سے اپنے سے کم تر پر اپنی برتری ظاہر کرنا، اپنی دولت کو اپنی جسمانی تسکین کا ذریعہ بنانا، اپنی طاقت سے دوسروں کو زیر نگیں کرنا ہی مقصد حیات ہے۔ یا ایک عام آدمی بھی جو ایک دنیا دار ہے جس کے پاس دولت نہیں وہ بھی یہی سمجھتا ہے بلکہ آج کل کے نوجوان جن کو دین سے رغبت نہیں دنیا کی طرف جھکے ہوئے ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ جو نئی ایجادات ہیں، ٹی وی ہے، انٹرنیٹ ہے، یہی چیزیں اصل میں ہماری ترقی کا باعث بننے والی ہیں اور بہت سے ان چیزوں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ پس یہ انتہائی غلط تصور ہے۔ اس تصور نے بڑے بڑے غاصب پیدا کئے۔ اس تصور نے بڑے بڑے ظالم پیدا کئے۔ اس تصور نے عیاشیوں میں ڈوبے ہوئے انسان پیدا کئے۔ اس تصور نے ہر زمانہ میں فرعون پیدا کئے کہ ہمارے پاس طاقت ہے، ہمارے پاس دولت ہے، ہمارے پاس جاہ وحشمت ہے۔ لیکن اس تصور کی خدا تعالیٰ نے جو ربّ العالمین ہے، جو عالمین کا خالق ہے بڑے زور سے نفی فرمائی ہے۔ فرمایا کہ جن باتوں کو تم اپنا مقصد حیات سمجھتے ہو یہ تمہارا مقصد حیات نہیں ہیں۔ تمہیں اس لئے نہیں پیدا کیا گیا کہ ان دنیاوی مادی چیزوں سے فائدہ اٹھاؤ اور دنیا سے رخصت ہو جاؤ۔ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (الذاریات:57) اور مَیں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

’’اصل غرض انسان کی خلقت کی یہ ہے کہ وہ اپنے ربّ کو پہچانے اور اس کی فرمانبرداری کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ

مَیں نے جنّ اور انس کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں مگر افسوس کی بات ہے کہ اکثر لوگ جو دنیا میں آتے ہیں بالغ ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ اپنے فرض کو سمجھیں اور اپنی زندگی کی غرض اور غایت کو مدنظر رکھیں وہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دنیا کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور دنیا کا مال اور اس کی عزتوں کے ایسے دلدادہ ہوتے ہیں کہ خدا کا حصہ بہت ہی تھوڑا ہوتا ہے اور بہت لوگوں کے دل میں تو ہوتا ہی نہیں۔ وہ دنیا ہی میں منہمک اور فنا ہو جاتے ہیں۔ انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ خدا بھی کوئی ہے۔‘‘ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 134 جدید ایڈیشن)

(حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطبہ جمعہ فرمودہ 15 رجنوری 2010ء سے انتخاب)

حدیث النبی ﷺ

❁ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بندے کی دعا اس وقت تک قبول ہوتی ہے جب تک وہ کسی دعا کے ساتھ گناہ یا قطع رحمی کا ارتکاب نہ کرے اور جب تک جلد بازی سے کام نہ لے۔

عرض کیا گیا یا رسول اللہ! جلد بازی سے کیا مراد ہے؟

آپؐ نے فرمایا: وہ کہتا ہے کہ مَیں نے بار بار دعا کی مگر مَیں نے اس کی قبولیت (کی کوئی علامت) نہیں دیکھی۔ اس پر وہ تھک کر دعا چھوڑ دیتا ہے۔(مسلم، کتاب الذکر و الدعا والتوبة والاستغفار)

❁ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم تو (خدا کی راہ میں) خرچ کر (جس کے نتیجے میں) مَیں تجھ پر خرچ کروں گا۔(بخاری۔ کتاب النفقات)

❁ حضرت کبشۃ انماری سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: تین چیزوں کے بارے میں مَیں قسم کھا کر تمہیں بتاتا ہوں۔ اُنہیں اچھی طرح یاد رکھو۔ صدقہ بندے کے مال میں سے کچھ بھی کمی نہیں کرتا۔ جب بندے پر ظلم کیا جائے اور وہ صبر سے کام لے تو اللہ تعالیٰ اُسے اور عزت بخشتا ہے۔ جس نے سوال کرنے کا دروازہ کھولا اللہ تعالیٰ اس کے لئے فقر اور محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔(ترمذی۔ کتاب الزھد۔ باب مثل الدنیا مَثَلُ اَرْبَعَۃُ نَفَرٍ)

❁ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک کھجور بھی پاک کمائی میں سے اللہ کی راہ میں دی اور اللہ تعالیٰ پاک چیز کو ہی قبول فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کھجور کو دائیں ہاتھ سے قبول فرمائے گا اور اُسے بڑھاتا چلا جائے گا یہاں تک کہ وہ پہاڑ جتنی ہو جائے گی۔ جس طرح تم میں سے کوئی اپنے چھوٹے سے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے اور اُسے بڑا جانور بنا دیتا ہے۔

(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ)

❁ حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: دو شخصوں کے سوا کسی پر رشک نہیں کرنا چاہیے۔ ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اُس نے اسے راہِ حق میں خرچ کر دیا۔ دوسرے وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے سمجھ، دانائی اور علم و حکمت دی جس کی مدد سے وہ لوگوں کے فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا بھی ہے۔(بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ)

❁ حضرت خریم بن فاتکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں کچھ خرچ کرتا ہے، اسے اس کے بدلہ میں سات سو گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔(ترمذی۔ باب فضل النفقة فی سبیل اللہ)

❁ حضرت سعد بن وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خدا کی رضا کی خاطر جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا اجر تمہیں ملے گا۔ یہانتک کہ اگر اس نیت سے اپنی بیوی کے منہ میں ایک لقمہ بھی ڈالو گے تو اس کا بھی اجر ملے گا۔(بخاری۔ کتاب الایمان)

حضرت عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: صدقہ دے کر آگ سے بچو خواہ آدھی کھجور خرچ کرنے کی ہی استطاعت ہو۔(بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب اتقوا النار ولو بشق تَمْرۃ)



امام الکلام ۔ کلام الامام

علیہ الصلوٰۃ والسلام

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند منتخب ارشادات پیش ہیں:

❁ ’’مَیں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جس کے ملنے میں انسان کی نجات اور دائمی خوشحالی ہے وہ بجز قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز نہیں مل سکتا۔‘‘ (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ 122)

❁ ’’یقیناً سمجھو کہ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر آنکھوں کے دیکھ سکیں یا بغیر کانوں کے سُن سکیں یا بغیر زبان کے بول سکیں، اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ بغیر قرآن کے اس پیارے محبوب کا منہ دیکھ سکیں۔‘‘ (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ 123)

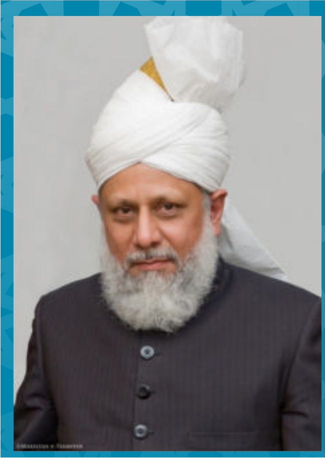
❁ ’’تم ماں باپ سے نیکی کرو اور قریبیوں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور ہمسایہ سے جو تمہارا قریبی ہے اور ہمسایہ سے جو بیگانہ ہے اور مسافر سے اور نوکر اور غلام اور گھوڑے اور بکری اور گائے سے اور حیوانات سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں کیونکہ خدا کو جو تمہارا خدا ہے یہی عادتیں پسند ہیں۔ وہ لاپرواہوں اور خودغرضوں سے محبت نہیں کرتا۔‘‘ (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ 50)

❁ ’’یاد رہے کہ مجرد عفو کو خُلق نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک طبعی قوت ہے جو بچوں میں پائی جاتی ہے۔ بچہ کو جس کے ہاتھ سے چوٹ لگ جائے خواہ شرارت سے ہی لگے، تھوڑی دیر کے بعد اس قصّہ کو بھلا دیتا ہے اور پھر اس کے پاس محبت سے جاتا ہے اور اگر ایسے شخص نے اس کے قتل کا بھی ارادہ کیا ہو تب بھی صرف میٹھی بات پر خوش ہو جاتا ہے۔ پس ایسا عفو کسی طرح خُلق میں داخل نہیں ہوگا۔ خُلق میں اسی صورت میں داخل ہوگا جب ہم اس کو محل اور موقع پر استعمال کریں گے ورنہ صرف ایک طبعی قوت ہوگی۔ دنیا میں بہت تھوڑے ایسے لوگ ہیں جو طبعی قوت اور خُلق میں فرق کر سکتے ہیں۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ حقیقی خُلق اور طبعی حالتوں میں یہ فرق ہے کہ خُلق ہمیشہ محل اور موقع کی پابندی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور طبعی قوت بے محل بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یوں تو چارپایوں میں گائے بھی بے شر ہے اور بکری بھی دل کی غریب ہے مگر ہم ان کو اسی سبب سے اِن خُلقوں سے متّصف نہیں کہہ سکتے کہ اِن کو محل اور موقع کی عقل نہیں دی گئی۔ خدا کی حکمت اور خدا کی سچی اور کامل کتاب نے ہر ایک خُلق کے ساتھ محل اور موقع کی شرط لگا دی ہے۔‘‘

(روحانی خزائن جلد دہم صفحہ 352)

❁ ’’پانچواں وسیلہ اصل مقصود کے پانے کے لئے خدا تعالیٰ نے مجاہدہ ٹھہرایا ہے یعنی اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی طاقتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی عقل کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اس کو ڈھونڈا جائے جیسا کہ وہ فرماتا ہے **جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَ أَنْفُسِكُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا** یعنی اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کو مع ان کی تمام طاقتوں کے خدا کی راہ میں خرچ کرو اور جو کچھ ہم نے عقل اور علم اور فہم اور ہنر وغیرہ تم کو دیا ہے وہ سب کچھ خدا کی راہ میں لگاؤ۔ جو لوگ ہمارے راہ میں ہر ایک طور سے کوشش بجا لاتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں دکھا دیا کرتے ہیں۔‘‘

(روحانی خزائن جلد دہم صفحہ 419-418)



فرمودات

حضرت خلیفۃالمسیح الخامس
ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

سیّدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃالمسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’اس بات کی طرف راہنمائی کرنے کے لئے کہ اپنے مقصد پیدائش کو کس طرح پہچاننا ہے اور اس کی عبادت کے طریق کس طرح بجا لانے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں انبیاء بھیجتا رہا ہے جو اپنی قوموں کو اس عبادت کے طریق اور مقصد پیدائش کے حصول کے لئے راہنمائی کرتے رہے اور پھر جب انسان ہر قسم کے پیغام کو سمجھنے کے قابل ہو گیا اس کی ذہنی جلا اس معیار تک پہنچ گئی جب وہ عبادات کے بھی اعلیٰ معیاروں کو سمجھنے لگا اور اس نے دنیاوی عقل و فراست میں بھی ترقی کی نئی راہیں طے کرنی شروع کر دیں۔ آپس کے میل جول اور معاشرت میں بھی وسعت پیدا ہونی شروع ہو گئی تو انسان کامل اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس آخری شریعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھیجا جس نے پھر اللہ تعالیٰ سے حکم پا کر یہ اعلان کیا کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدہ:4) کہ آج مَیں نے تمہارے فائدے کے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتوں اور احسان کو تم پر پورا کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا۔ اور اس قرآن میں جس کے لئے دین کو مکمل کیا اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کے طریقے بتائے۔ عبادتوں کے اعلیٰ معیاروں کو چھونے کے طریق بھی بیان فرمائے۔ معاشرتی تعلقات نبھانے کے طریق بھی بیان فرمائے۔ دشمنوں سے سلوک کے طریق بھی بیان فرمائے۔ معاشرہ کے کمزور طبقے کے حقوق کی ادائیگی کے طریق بھی بیان فرمائے۔ عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کے طریق بھی بیان فرمائے۔ آئندہ آنے والی نئی ایجادات کے آنے اور ان سے انسان کے فائدہ اٹھانے کے بارہ میں بھی بیان فرما دیا۔ زمین و آسمان میں جو بھی موجود ہے اس کے بارہ میں انسانی عقل و فراست کی حدود تک جتنی بھی، جہاں تک پہنچ ہو سکتی تھی اس کے سمجھنے کے بارہ میں بھی راہنمائی فرمائی۔ ہر وہ چیز بیان فرما دی جن تک آج انسان کی عقل کی رسائی ہو رہی ہے بلکہ آئندہ پیش آمدہ باتوں کے بارہ میں بھی بیان فرما دیا جس کے بارہ میں آج سے 1400 سال پہلے کا انسان سمجھ نہیں سکتا تھا اور اس سے پہلے کا انسان تو بالکل بھی نہیں سمجھ سکتا تھا گو کہ اُس وقت جب یہ باتیں قرآن کریم میں بیان ہوئیں ایک عام مسلمان مومن سمجھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن ان سب باتوں کو انسان کامل اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی فراست جو تھی اس وقت بھی سمجھتی تھی۔ پس وہ ایک ایسا نور کامل تھے جو اللہ تعالیٰ کے نور سے منور تھا اور جنہوں نے اپنے صحابہ میں ان کی استعدادوں کے مطابق بھی وہ نور بھر دیا۔ انہیں عبادتوں کے طریق بھی سکھائے۔ انہیں عبادتوں کے اعلیٰ معیار حاصل کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی۔ ان کو اپنے مقصد پیدائش کو سمجھنے کی طرف بھی توجہ دلائی۔ اور پھر آپ ﷺ سے وہ نور پا کر صحابہؓ نے اپنی استعدادوں کے مطابق پھر وہ نور آگے پھیلانا شروع کر دیا اور چراغ سے پھر چراغ روشن ہوتے چلے گئے اور جن باتوں کا فہم اس وقت کا عام انسان نہیں کر سکتا تھا اس کے بارہ میں بھی بتا دیا کہ اس کامل کتاب سے تا قیامت اب چراغ روشن ہوتے چلے جائیں گے اور آئندہ زمانہ کے مومنین اللہ تعالیٰ کے ان احسانوں کو دیکھ لیں گے۔ ایک دنیادار تو صرف دنیا کی نظر سے دیکھے گا لیکن ایک حقیقی مومن اپنے مقصد پیدائش کا حق ادا کرتے ہوئے اُن کو اس نظر سے دیکھے گا کہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئی کے مطابق ہی یہ چیزیں پیدا ہوئی ہیں۔‘‘

(حضرت خلیفۃالمسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطبہ جمعہ فرمودہ 15؍جنوری 2010ء سے انتخاب)

اداریہ

تاریخ مذاہب کا
ایک روشن ورق اور ہمارا فرض

آج سے سوا سو سال قبل 1896ء میں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ادیانِ عالم پر اسلام کی برتری اور دنیا بھر کی الہامی کتب پر قرآن کریم کی عظمت ثابت کرنے کے لئے ایک مضمون رقم فرمایا تھا جو لاہور میں منعقد ہونے والے جلسہ اعظم مذاہب میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر سنایا اور بعد ازاں یہی مضمون ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے نام سے شائع ہوا۔ دراصل خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہاماً بتا دیا تھا کہ ''مضمون بالا رہا''۔ چنانچہ ایک سو پچیس سالہ تاریخ شاہد ہے کہ الٰہی تائید یافتہ اس مضمون نے دنیا بھر کے دانش کدوں میں ایسا زلزلہ بپا کیا کہ نہ صرف اُس زمانے کے اخبارات نے جلسہ اعظم مذاہب سے متعلق اپنی رپورٹس اور ریویوز میں واضح طور پر اس مضمون کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے اسے جلسہ میں پڑھے جانے والے تمام مضامین میں اعلیٰ ترین قرار دیا بلکہ دنیا بھر کے عظیم مفکّرین اور مدبّرین نے جب بھی اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس کی تعریف وتوصیف میں رطب اللّساں ہو گئے۔ گویا اپنوں اور غیروں نے اس عظیم الشان مضمون کو شاندار خراج تحسین پیش کیا۔ دنیا بھر سے تعلق رکھنے والے عظیم دانشوروں کا اس مضمون کے لئے اظہار عقیدت یقیناً سلطان القلم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کے لئے بھی شاندار خراج تحسین ہے۔

''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا مضمون بلاشبہ قرآن کریم کے حقائق ومعارف کی بے نظیر تفسیر اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے پایاں عشقِ قرآن کا مظہر ہے۔ جس طرح احمدیت کی پہلی صدی میں یہ مضمون دنیا بھر کے مذاہب کے مقابل پر اسلام کی ایک شاندار فتح کا اعلان تھا اور دیگر الہامی کتب کے مقابل پر قرآن کریم کی برتری کا بے مثال اظہار تھا، اسی طرح آج بھی یہ اسلامی تعلیمات کی حقیقی روح کو دنیا کے سامنے ایک نمایاں شان کے ساتھ پیش کرنے کے بخوبی قابل ہے کیونکہ یہ وہ اعجازی مضمون ہے جس کے غلبہ کی بشارت دیتے ہوئے جلسہ سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نُور ہے جو دوسری قوموں کو شرمندہ کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خدائی وعدوں کے مطابق اس جلسہ میں ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ خَرِبَتْ خَيْبَرُ'' کے روحانی نظارہ کا وہ سماں پیدا ہوا جس نے مذاہبِ باطلہ کے محلّات ایک بار پھر زمیں بوس کر دیے۔

''اسلامی اصول کی فلاسفی'' میں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانچ اہم سوالات کا قرآن کریم کی روشنی میں جواب ایسے دلنشیں پیرائے میں عطا فرمایا ہے جو روحوں پر وجد طاری کر دینے والا اور اسلام کی عظمت کو دلوں میں قائم کرنے والا ہے۔ ان سوالات کا تعلق انسان کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتوں، حیات بعد الموت، نیز انسانی پیدائش کے مقصد، دنیا اور آخرت میں اعمال کا اثر اور علم اور معرفت کے ذرائع سے ہے۔

اس کتاب کی دنیا بھر میں اشاعت کرنا اور اس کے مضامین کو ہر سطح پر پیش کرتے چلے جانا ہمارا فرض ہے کیونکہ یہ وہ الٰہی تائید یافتہ کلام ہے جو نہ صرف سوا سو سال پہلے غالب تھا بلکہ آج بھی ہے اور قیامت تک ادیانِ عالَم پر دینِ اسلام اور قرآن کریم کی برتری کی مُہر ثبت کرتا چلا جائے گا۔ اور اِس زمانہ میں یہ بھی اُن تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے مسیح محمدیؑ نے اپنے غلاموں کے ہاتھوں میں دے کر یہ اعلان فرمایا تھا: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ خَرِبَتْ خَيْبَرُ''۔

امر واقعی یہ ہے کہ ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق اور اپنے فہم واستعداد کے مطابق اس روحانی مائدہ سے لُطف اٹھاتا ہے۔ اس لئے اگر ابھی تک آپ نے کسی وجہ سے اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا تو ابھی سے اس کا ارادہ فرمالیں۔ اگر آپ خود مطالعہ کر چکے ہیں تو اپنے ماحول میں بھی جائزہ لیں کیونکہ اس کتاب کا مطالعہ نہ صرف ہماری اخلاقی اور روحانی ترقیات میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے اور ہماری خاندانی اور معاشرتی زندگیوں میں بھی انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ نیز ہمارے مغربی ماحول میں تعلیم وتربیت اور دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ادا کرنے میں بھی یہ کتاب نہایت ممد ہے۔ ہم میں سے کئی جب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا پہلی بار مطالعہ کریں گے تو اُنہیں یقیناً خیال آئے گا کہ ابھی تک وہ کیوں اس شاندار مضمون کے مطالعہ سے محروم رہے ہیں!

الغرض ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا مطالعہ ہر اُس شخص کے لئے فائدہ مند ہے جو اخلاقی اور روحانی میدانوں میں ترقیات کا خواہشمند ہے، دنیا وآخرت میں اپنے خالق ومالک سے زندہ تعلق پیدا کرنے کا شوق رکھتا ہے اور اپنی قوّتوں اور استعدادوں کو خدا تعالیٰ کی کامل رضا کے تابع رکھ کر ان سے استفادہ کرنا چاہتا ہے۔

(محمود احمد ملک)

جلسہ مذاہب عالم کا انعقاد اور ''اسلامی اصول کی فلاسفی''

(محمود احمد ملک)

روس کا عظیم مفکّر اور ادیب کاؤنٹ لیوٹالسٹائے دنیا کے مشہور انشا پردازوں میں سے ایک ہے جس نے انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے سنگم پر اپنی تخلیقات سے تہلکہ بپا کیے رکھا۔ اُس نے نوّے (90) سے زائد کتب لکھیں جن کا شمار دنیا کے بہترین ادبی شاہکاروں میں ہوتا ہے۔ 1903ء میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے ساتھ اُن کی خط کتابت لمبا عرصہ رہی۔ آپؓ نے اپنے ایک خط میں احمدیہ عقائد اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات مسیح ناصریؑ کے بارے میں کی گئی تحقیق بیان کی اور اس خط کے ساتھ حضرت اقدسؑ کی ایک تصویر، قبرِمسیح کی تصویر اور رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کا ایک شمارہ بھی بھجوادیا۔ اس خط کے جواب میں ٹالسٹائے نے 5رجون کے محرّرہ اپنے خط میں لکھا کہ وفات عیسیٰ کے ثبوت اور اُس کی قبر کی تحقیقات میں مشغول ہونا بے فائدہ کوشش ہے کیونکہ عقل مند انسان حیاتِ عیسیٰ کا قائل کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔...... ہمیں معقول مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے اور اگر (حضرت) مرزا احمد کوئی نیا معقول مسئلہ پیش کریں گے تو مَیں بڑی خوشی سے اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ ریویو میگزین میں مجھے دو مضامین بہت پسند آئے...... نہایت شاندار اور صداقت سے بھرے ہوئے خیالات ان مضامین میں ظاہر کیے گئے ہیں۔

بعدازاں حضرت مفتی صاحبؓ نے ٹالسٹائے کو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا انگریزی ترجمہ بھی بھجوایا۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ٹالسٹائے نے برملا اقرار کیا کہ

The ideas are very profound and true.

ٹالسٹائے کا تبصرہ تو محض ایک مثال ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' اسلام کے بنیادی عقائد کو منطقی انداز میں پیش کرتے ہوئے لکھی جانے والی بہترین کتب میں سے ایک ہے۔ اور اگرچہ ٹالسٹائی نے تو اسلام کو باقاعدہ طور پر قبول نہیں کیا لیکن سینکڑوں ایسے افراد بھی ہیں جن کا تعلق مختلف زبانیں بولنے والوں اور مختلف قوموں سے ہے جنہیں خداتعالیٰ نے اس کتاب کے مطالعے کے نتیجے میں اپنے فضل سے اسلام قبول کرنے اور پھر اسلام کی بھرپور خدمت بجالانے کی بھی توفیق عطا فرمائی۔ ان ہی خوش قسمت افراد میں ایک نام محترم بشیر احمد آرچرڈ صاحب مرحوم کا بھی ہے۔

محترم آرچرڈ صاحب اپنی خودنوشت سوانح حیات میں اپنی قبول احمدیت کی داستان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلام کا پیغام مجھے ایک احمدی حوالدار کلرک مکرم عبدالرحمٰن دہلوی صاحب نے پہنچایا تھا اور کسی طرح یہ انتظام بھی کرلیا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' قادیان سے براہ راست میرے نام بھیج دی جائے۔ اگرچہ میری روحانی استعداد ایسی نہیں تھی کہ مَیں اس کتاب کے مندرجات کو آسانی سے سمجھ سکتا تاہم کتاب کے کچھ حصوں نے مجھے بہت متأثر کیا۔

محترم آرچرڈ صاحب بیان فرمایا کرتے تھے کہ دراصل یہی کتاب تھی جس کو بار بار پڑھنے کے نتیجے میں آپ کا ذہن مادیت پرستی اور عیشِ دنیا کی طرف سے ہٹ کر اسلام احمدیت کی پاکیزہ تعلیم سے روشناس ہوا اور پھر اسلام کی آغوش میں آکر آپ نے وہ اخلاقی اور روحانی ترقی حاصل کی کہ براعظم یورپ کے پہلے واقف زندگی ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔

اسی حوالے سے ایک روشن مثال مکرم اکبر تشا کا احمدی صاحب آف امریکہ کی ہے۔ وہ اپنی قبولِ اسلام کی داستان رقم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مَیں 11راگست 1939ء کو اٹلانٹک سٹی کے ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا اور اٹلانٹک سٹی میں ہی اپنی تعلیم مکمل کی۔ 1972ء کا واقعہ ہے کہ مَیں ایک کتب فروش کے پاس ''صوفی ازم'' کے بارے میں چند کتب خرید رہا تھا جب میری نظر کچھ دُور رکھی ہوئی ایک کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' پر پڑی جس پر تحریر تھا کہ یہ کتاب احمدیہ مسلم جماعت کے بانی کی تصنیف ہے۔ چونکہ مَیں نے احمدیت کا نام پہلے کبھی نہیں سنا تھا اس لیے میرا خیال تھا کہ یہ کسی بہت پرانے مذہب کا نام ہے۔ جب مَیں نے کتاب کھول کر دیکھی تو اندر حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی تصویر چسپاں تھی۔ تصویر دیکھ کر میں مبہوت ہوگیا کیونکہ میری نظر سے اس سے پہلے کبھی کوئی ایسا شخص نہیں گزرا تھا جس کی تصویر اس کی روحانیت کی ایسی وضاحت کے ساتھ ترجمانی کرتی ہو۔ پھر جب میں نے یہ کتاب پڑھی تو گویا ایک قیمتی خزانہ مجھے حاصل ہوگیا اور میرے پاس موجود اسلام کے بارہ میں تمام کتب اس کے مقابلے میں ہیچ محسوس ہوئیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام کی تائید میں لکھی جانے والی اس عظیم الشان کتاب کے معرضِ وجود میں آنے کا پس منظر یوں ہے کہ 1896ء میں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ادیانِ عالَم پر اسلام کی برتری اور دنیا بھر کی الہامی کتب پر قرآن کریم کی عظمت ثابت کرنے کے لیے ایک مضمون رقم فرمایا تھا جو لاہور میں منعقد ہونے والے جلسہ اعظم مذاہب میں پڑھ کر سنایا گیا۔

اس عظیم الشان مضمون نے اپنوں اور غیروں کی زبان اور قلم سے شاندار خراج تحسین وصول کیا۔ بعدازاں یہ مضمون ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوا اور اس کتاب کو 'علم الادیان' کے تقابلی جائزہ اور اسلام میں عبادات اور حقوق العباد کی فلاسفی کے حوالے سے عوام وخواص میں ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اب تک نصف صد سے زائد زبانوں میں اس کے تراجم مکمل ہو چکے ہیں۔

اس عظیم الشان مضمون کو قلمبند کرنے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ بیان کرتے ہیں کہ 1896ء کے نصف دوم میں ایک سادھومنش انسان جن کا نام شوگن چندر تھا، تلاشِ حق میں قادیان آئے۔ وہ تعلیم یافتہ تھے اور کبھی سرکاری ملازم بھی رہے تھے لیکن بعض حوادث اور عیال و اطفال کی وفات کی وجہ سے اُن کے خیالات کا رُخ بدل گیا اور وہ صداقت کی تلاش میں مارے مارے پھرنے لگے۔ جب قادیان پہنچے تو حضرت مسیح موعودؑ کے وہ ایسے گرویدہ ہوئے کہ یہیں رہ جانے پر آمادہ ہوگئے۔ اُن کی یہ خواہش بھی تھی کہ وہ ایک جلسہ اعظم مذاہب منعقد کرائیں۔ حضورؑ کی بھی شاید یہ خواہش تھی کہ مذاہب عالم کی ایسی کانفرنس منعقد ہو جس میں قرآن شریف کے فضائل کے بیان اور اسلام کی برتری ثابت کرنے کا موقع ملے۔ چنانچہ حضورؑ کی خواہش کی تکمیل کے لیے (سوامی) شوگن چندر صاحب نے اپنی خدمات پیش کیں اور بہت جلد انہوں نے ہندوؤں کے ہر طبقہ میں رسوخ حاصل کر کے اس جلسے کی تجویز پیش کر دی۔ اس جلسے کے انعقاد کو ممکن بنانے کے لیے حضور علیہ السلام کی طرف سے ہر رنگ میں مدد اور حوصلہ افزائی کی گئی۔

بالآخر 26 تا 28/دسمبر 1896ء کی تاریخوں میں ٹاؤن ہال لاہور میں اس جلسے کے انعقاد کا فیصلہ ہوا تو حضرت اقدس علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور بیماری کے باوجود ایک مضمون قلمبند کرنا شروع کیا جسے حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ نے جلسے میں پڑھ کر سنانا تھا۔ اسی دوران حضرت مولانا صاحبؓ سیالکوٹ میں بیمار ہوگئے۔ چنانچہ مکرم خواجہ کمال الدین صاحب کو متبادل کے طور پر تیاری کروائی جانے لگی۔ اگرچہ خواجہ صاحب کو اردوخوانی کا ملکہ تو حاصل تھا لیکن آیاتِ قرآنی کی تلاوت میں خامی تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ بیماری کے باوجود لاہور تشریف لے آئے اور حضورؑ کی خواہش کے مطابق مضمون پڑھنے کے لیے تیار ہوگئے۔

جلسے سے قبل ہی حضور علیہ السلام کو الہام ہوا کہ ''یہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا''۔ چنانچہ حضورؑ نے 21/دسمبر 1896ء کو ایک اشتہار شائع کر کے تاکید فرمائی کہ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔ اس اشتہار میں دیگر تمام مضامین پر اس مضمون کے غالب رہنے کی الہامی خبر بیان کی گئی تھی۔ چنانچہ لاہور میں مخالفین کی طرف سے اس اشتہار کو اُتارنے اور پھاڑ کر ضائع کر دینے کی کوششوں کے باوجود احمدیوں نے اس اشتہار کی بھرپور اشاعت کی اور کئی راتیں شہر کی نمایاں جگہوں پر اسے آویزاں کرنے کے لیے غیر معمولی مشقت برداشت کی۔

اسی دوران اس جلسے کے انعقاد کی راہ میں بھی مخالفین کی طرف سے بہت روکیں پیدا کی گئیں جو خدا تعالیٰ کے فضل سے دُور ہوتی چلی گئیں۔ حتّٰی کہ پروگرام کے مطابق ٹاؤن ہال نہ مل سکا تو اسلامیہ ہائی سکول کی زیادہ وسیع عمارت مل گئی۔ اور جب جلسے کے دوران حضور علیہ السلام کے رقم فرمودہ مضمون کو پڑھے جانے کا وقت ہوا تو اتنی مخلوق وہاں پہنچی کہ گنجائش نکالنے کے لیے سمٹنا اور سکڑنا پڑا۔

مختلف مسلمان علماء کے چند مضامین کے بعد جب سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا تحریر فرمودہ مضمون حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے پڑھنا شروع کیا تو لوگوں نے بے اختیار سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنا شروع کر دیا۔ ہزاروں انسانوں کا مجمع بے حس وحرکت ہمہ تن گوش بیٹھا تھا۔ وقت ختم ہوگیا لیکن مضمون ابھی باقی تھا۔ اس پر اگلے مقرر نے اپنا وقت بھی حضورؑ کے مضمون کے لیے پیش کر دیا لیکن مضمون پھر بھی مکمل نہیں ہو سکا تھا۔ سامعین کی تشنگی اُن کے چہروں سے عیاں تھی اس لیے حضورؑ کے مضمون کے لیے وقت مزید بڑھایا گیا اور پھر اس مضمون میں لوگوں کی دلچسپی دیکھتے ہوئے منتظمین نے جلسے کے پروگرام میں ہی ایک دن کا اضافہ کر دیا۔ جب مضمون ختم ہوا تو حاضرین کی زبانیں بے اختیار اس مضمون کی تعریف میں رطب اللسان ہوگئیں۔ اور پھر دنیا بھر میں جہاں جہاں اس مضمون کی بازگشت سنائی دی وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات ''مضمون بالا رہا'' اور ''اَللّٰہُ اَکْبَر۔ خَرِبَتْ خَیْبَر'' پر مُہر صداقت ثبت ہوتی چلی گئی۔

> **جلسہ مذاہب عالم میں جب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا مضمون ختم ہوا تو حاضرین کی زبانیں بے اختیار اس مضمون کی تعریف میں رطب اللسان ہوگئیں۔ اور پھر دنیا بھر میں جہاں جہاں اس مضمون کی بازگشت سنائی دی وہاں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات ''مضمون بالا رہا'' اور ''اَللّٰہُ اَکْبَر۔ خَرِبَتْ خَیْبَر'' پر مُہر صداقت ثبت ہوتی چلی گئی۔**

جلسہ اعظم مذاہب لاہور میں دس مذاہب کے 16 نمائندگان شریک ہوئے۔ جلسے سے قبل عیسائیوں نے ایک میٹنگ کی اور متفقہ فیصلہ کرتے ہوئے اس جلسے میں شمولیت سے انکار کر دیا تاہم دو عیسائی لیڈروں نے ذاتی طور پر اس جلسے میں شرکت کی جن میں سے ایک نے اظہارِ خیال بھی کیا۔ مسلمانوں میں سے سر سید احمد خان صاحب نے جلسے میں شریک ہونے سے انکار کیا اور دعوت نامے کے جواب میں کہا کہ یہ کام واعظوں اور ناصحوں کا ہے۔ اسی طرح دیگر کئی مشہور مسلم علماء مثلاً مولوی احمد حسین صاحب عظیم آبادی، مولوی عبدالحق صاحب محدّث دہلوی اور سید محمد علی صاحب کانپوری نے اس جلسے کی طرف توجہ ہی نہیں کی اور ایسا شکست خوردہ کردار اپنایا گویا ان کی دینی غیرت سوئی ہوئی ہے۔

جلسے میں شامل ہونے والے اکثر مضامین نے اصل سوالوں کی بجائے ضمنی باتیں بیان کیں یا جزوی طور پر کسی ایک سوال پر ہی اپنی رائے دی یا اپنے مضمون کے آغاز میں بیان کی جانے والی دلیل کو خود ہی بعد میں ردّ کر دیا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے نبوت اور معجزے کی غیر متعلق بحث کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ ''انبیاء فوت ہو چکے، اُمّتِ محمدیہ کے بزرگ ختم ہو چکے۔ وارثِ انبیاء ولی تھے، وہ کرامات رکھتے تھے لیکن وہ نظر نہیں آتے، زیرِ زمین ہوگئے۔ آج اسلام ان

کرامت والوں سے خالی ہے...‘‘۔

حضرت میاں خیرالدین صاحب سیکھوانیؓ فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب کے مذکورہ دعوے کے فوراً بعد حضرت اقدس علیہ السلام کا مضمون پڑھا گیا جس میں حضورؑ نے یہ اعلان فرمایا کہ

’’اندھا ہے جو کہتا ہے کہ ہم کہاں سے نشان دکھلائیں، آؤ مَیں نشان دکھاتا ہوں اور مَیں اندھوں کو آنکھیں بخشنے کے لیے آیا ہوں۔‘‘

یہ فقرات بذاتِ خود نشان تھے کیونکہ حضورؑ کا مضمون مولوی صاحب کے مضمون کے بعد پڑھا گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے الٰہی تائید یافتہ اس مضمون نے نہ صرف مقامی طور پر بلکہ پورے ہندوستان اور دنیا بھر کے دانش کدوں میں ایسا زلزلہ بپا کیا کہ نہ صرف عظیم مفکّرین اس کی تعریف وتوصیف میں رطب اللّساں ہوگئے بلکہ اُس زمانے کے اخبارات نے بھی جلسہ اعظم مذاہب سے متعلق اپنی رپورٹس اور ریویوز میں واضح طور پر اس مضمون کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے اسے جلسے میں پڑھے جانے والے تمام مضامین میں اعلیٰ ترین قرار دیا۔ دنیا بھر سے تعلق رکھنے والے عظیم دانشوروں کا اس مضمون کے لیے اظہار عقیدت یقیناً سلطان القلم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کے لیے بھی شاندار خراج تحسین ہے۔

’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ کا مضمون بلاشبہ قرآن کریم کے حقائق ومعارف کی بے نظیر تفسیر اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے پایاں عشقِ قرآن کا مظہر ہے۔ جس طرح سو سال پہلے یہ مضمون دنیا بھر کے مذاہب کے مقابل پر اسلام کی ایک شاندار فتح کا اعلان تھا اور دیگر الہامی کتب کے مقابل پر قرآن کریم کی برتری کا بے مثال اظہار تھا، اسی طرح آج بھی یہ اسلامی تعلیمات کی حقیقی روح کو دنیا کے سامنے ایک نمایاں شان کے ساتھ پیش کرنے کے قابل ہے کیونکہ یہ وہ اعجازی مضمون ہے جس کے غلبے کی بشارت دیتے ہوئے جلسے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا کہ اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نُور ہے جو دوسری قوموں کو شرمندہ کردے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خدائی وعدوں کے مطابق اس جلسے میں نصرتِ الٰہی کے روحانی نظارے کا وہ سماں پیدا ہوا جس نے مذاہبِ باطلہ کے محلّات سینکڑوں سال بعد ایک بار پھر زمیں بوس کردیے۔

’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ کے نام سے شائع ہونے والے اس مضمون میں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانچ اہم سوالات کا قرآن کریم کی روشنی میں جواب دیا ہے اور ایسے دلنشیں پیرائے میں تشریح فرمائی ہے جو روحوں پر وجد طاری کردینے والی اور اسلام کی عظمت کو دلوں میں قائم کرنے والی ہے۔ پانچ سوالات یہ تھے:

1۔ انسان کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتیں۔ 2۔ حیات بعد الموت۔
3۔ انسانی پیدائش کا مقصد۔ 4۔ دنیا اور آخرت میں اعمال کا اثر۔
5۔ علم اور معرفت کے ذرائع۔

اب تک 55 سے زائد زبانوں میں ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ کے تراجم شائع ہوچکے ہیں جبکہ چند زبانوں میں یہ کتاب زیر ترجمہ ہے۔

اس کتاب نے مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے اذہان اور مختلف زبانیں بولنے والے دانش مندوں کے خیالات میں جو مثبت انقلاب برپا کیا ہے اُس کی چند مثالیں قبل ازیں اسی مضمون میں شامل کی گئی ہیں۔ اسی ضمن میں عرض ہے کہ ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ میں بیان شدہ مضمون کو خراجِ عقیدت پیش کرنے والوں میں بہت سے عرب علماء بھی شامل ہیں۔ چنانچہ مصر سے تعلق رکھنے والے محترم حلمی الشافعی صاحب مرحوم جو پیٹرولیم انجینئر تھے اور بعد از ریٹائرمنٹ اپنی زندگی وقف کر کے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے مترجم کے فرائض سرانجام دینے لگے اور عربی لٹریچر میں گرانقدر اضافہ اور غیر معمولی خدمت کی توفیق پائی۔ آپ نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ آپ کے قبول احمدیت میں خدا تعالیٰ کا غیر معمولی فضل یوں شامل تھا کہ محترم مصطفیٰ ثابت صاحب نے جب آپ کو تبلیغ شروع کی تو گو کہ آپ کو یہ گفتگو پسند نہ تھی لیکن خوش قسمتی سے دونوں ایک ایسے صحرا میں ملازم تھے جہاں اوقاتِ کار کے بعد باتیں کرنے کے علاوہ کوئی اَور شغل ممکن ہی نہ تھا اور نہ ہی کوئی شہر قریب تھا۔ چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جو اس نے مجبور کردیا کہ یہ گفتگو ممکن ہوئی جو آپ کے قبولِ احمدیت پر منتج ہوئی۔ پھر قبولِ احمدیت کے بعد محترم حلمی صاحب کا اپنے محترم والد کو، جو کٹر وہابی تھے، احمدیت کے بارے میں بتانے کا طریقہ بھی بہت پُرحکمت تھا۔ چونکہ آپ کے والد بھی ممتاز علماء میں سے ایک تھے اس لیے جب آپ گھر گئے تو اپنے ہمراہ ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ کا عربی ترجمہ بھی لے گئے اور اپنے والد کو کتاب میں سے منتخب عبارات پڑھ کر سنائیں۔ آپ کے والد اتنا اعلیٰ کلام سن کر بہت متاثر ہوئے اور اسلام کی حمایت میں ایسی کتاب لکھنے والے کی بہت تعریف کی۔ تب محترم حلمی صاحب نے ان سے پوچھا کہ ایسی عبارات لکھنے والے کا آپ کے نزدیک کیا درجہ ہے۔ اُن کے والد نے نہایت بشاشت سے مصنّف کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا۔ اس کے بعد محترم حلمی صاحب نے پوچھا کہ ایسی عبارتیں لکھنے والا اگر مسیح ہونے کا دعویٰ کرے تو پھر!؟... چنانچہ اس طرح آپ نے احمدیت کے بارے میں نہایت حکمت سے اپنے والد محترم کو بتایا اور چونکہ وہ آپ کے اعلیٰ کردار سے بھی متاثر تھے اس لیے انہوں نے بعد میں زیادہ مخالفت نہیں کی۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 16ر جولائی 2021ء میں مکرم فتحی عبدالسلام صاحب آف شام کی وفات پر اُن کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے اُن کے قبول احمدیت میں ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ کے غیر معمولی پاکیزہ اثرات کا بھی ذکر فرمایا۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ 1998ء میں مصطفیٰ ثابت صاحب سے میرا تعارف ہوا اور ایک سال بعد انہوں نے مجھے ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ دی جسے پڑھنے کے بعد میرے اندر عجیب انقلاب پیدا ہوگیا اور مَیں نے امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں تفصیلی تحقیق کا فیصلہ کرلیا۔ یہی تحقیق جلد ہی قبول احمدیت پر منتج ہوئی۔

پس بلاشبہ ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ اسلام کی تائید میں لکھی جانے والی ایسی زبردست کتاب ہے جو نہ صرف اسلام کی محبت کو دلوں میں قائم کردیتی ہے بلکہ قلوب کے اطمینان اور اذہان کی تسکین کا باعث بھی بنتی ہے۔ چنانچہ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال رضی اللہ عنہ جن کا شمار ہندوستان کے ایسے چنیدہ افراد میں ہوتا تھا جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے خدمات بجالانے کے لیے نیک نامی

رکھنے کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کے میدان میں بھی نمایاں مقام رکھتے تھے۔آپؓ سیاسی اثر ورسوخ کے حامل تھے اور تقسیم ہند کے وقت پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے رُکن تھے۔آپ ایک بار دلّی میں مسز سروجنی نائیڈو سے ملنے گئے جو کانگریس کی صف اوّل کی لیڈر تھیں۔ وہ ہندوستان کی آزادی کے وقت صوبے کی گورنر بھی رہیں، انگریزی کی بہت اچھی شاعرہ تھیں اور ''بلبل ہند'' کے لقب سے معروف تھیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ بھی تبلیغ کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ آپؓ بیان فرماتے ہیں کہ موصوفہ سے میں نے کہا کہ آپ کرشن اوّل کو تو مانتی ہیں کرشن ثانی کو کیوں نہیں مانتیں؟ مسز نائیڈو نے اپنے نوکر کو آواز دے کر کہا میرے سرہانے کے نیچے جو کتاب ہے وہ اٹھا لاؤ۔ نوکر کتاب لے کر آیا اور مسز نائیڈو کی طرف بڑھائی۔ انہوں نے کہا یہ چوہدری صاحب کو دو۔ چودھری صاحبؓ نے اسے کھولا تو معلوم ہوا کہ وہ ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا انگریزی ترجمہ ہے۔ آپؓ کے چہرے پر حیرت اور خوشی کی لہر دیکھ کر مسز نائیڈو نے کہا: کیا آپ اب بھی کہتے ہیں کہ مَیں کرشن ثانی کو نہیں مانتی؟

اسی طرح کا ایک ایمان افروز واقعہ حضرت شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی رضی اللہ عنہ نے بھی بیان فرمایا ہے جن کی دعوت الی اللہ کے میدان میں گرانقدر خدمات کی کسی قدر تفصیل ''اصحاب احمد'' جلد سوم میں موجود ہے۔ آپؓ کو تبلیغ کا ایسا جنون تھا کہ کسی مخالفت کی کبھی پروا نہیں کرتے تھے حتّٰی کہ فوج میں ملازمت کے دوران بھی ادارے کے قواعد کی پابندی کرتے ہوئے ہر ممکن طریق پر دعوت الی اللہ کا فرض ادا کیا کرتے تھے۔ آپؓ بیان فرماتے ہیں کہ دسمبر 1914ء میں مجھے اپنی کور کے ہمراہ بنّوں اور میراں شاہ وغیرہ جانا پڑا۔ میں نے اپنے کمانڈنگ افسر میجر وارڈن کو ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا انگریزی ترجمہ دیا تو بعد مطالعہ انہوں نے کہا کہ یہ کتاب بہت عمدہ تالیف ہے اور مَیں چاہتا ہوں کہ تم اس کا اردو ترجمہ کردو تا کہ اپنی یونٹ کے عہدیداروں میں مَیں اس کی نقول تقسیم کروں۔ جب مَیں نے بتایا کہ اصل کتاب اردو میں ہی ہے تو انہوں نے اس کی سینتیس جلدیں سرکاری خرچ پر منگوانے کا حکم دیا۔ باوجودیکہ میں نے اُن سے کہا کہ اس کتاب کی فوجی یونٹ میں تقسیم سے فتنہ پیدا ہونے کا احتمال ہے کیونکہ غیر احمدی شکایت کریں گے کہ یہ احمدی بابو ان لوگوں کا مذہب تبدیل کرانا چاہتا ہے، لیکن افسر موصوف نے کہا کہ ہم اس مخالفت کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ مَیں نے کہا کہ آپ برطانوی افسر ہیں، آپ کو تو کوئی نہیں پوچھے گا لیکن ساری بلا میرے گلے آپڑے گی۔ مگر وہ نہیں مانے اور کہا کہ ہم حکم دیتے ہیں کہ یونٹ میں تقسیم کرنے کے لیے کتابیں منگواؤ۔

خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھیے کہ جب کتابیں قادیان سے آگئیں تو اسی اثنا میں میجر رسالدار راجہ راج ولی خان کو غیر احمدیوں نے یہ شکایت کی کہ بابو فضل احمد کافر ہے اور ہمارا مذہب خراب کر رہا ہے، ہم اس کے ساتھ کام نہیں کر سکتے، اس لیے آپ ہمارا نمائندہ بن کر میجر وارڈن کے پاس جائیں اور انہیں ہمارے جذبات سے آگاہ کریں۔ لیکن راجہ ولی خان موصوف پہلے میرے پاس آئے اور ہنس کر کہنے لگے کہ اگر مَیں یہ رپورٹ صاحب تک پہنچاؤں تو ڈر ہے مبادا بے عزتی ہو کیونکہ میجر وارڈن آپ کے ہاتھ پر ہیں اور آپ جو کہیں گے وہ اسے ہی درست سمجھیں گے۔ آپ بتلائیں کہ آپ اس شکایت کا کیا جواب دیتے ہیں؟ مَیں نے کہا کہ میں میجر وارڈن کو یہ کہوں گا کہ صاحب! قرآن کریم تو عیسائیوں کو پکّا کافر کہتا ہے۔ پس جب آپ بڑے کافر ہوئے اور آپ کے ساتھ اِن لوگوں کا گزارہ ہوسکتا ہے تو میرے ساتھ کیوں نہیں ہوسکتا حالانکہ بقول ان کے مَیں چھوٹا کافر ہوں۔

رسالدار صاحب سمجھ گئے اور وہ اُن لوگوں کو کہنے ہی والے تھے کہ شکایت نہ کرنا کہ اتنے میں سامنے سے افسر موصوف (میجر وارڈن) آگئے۔ رسالدار نے فوراً فال ان (Fall In) کرادیا۔ پھر میجر وارڈن نے قادیان سے آیا ہوا پیکٹ منگوایا اور ہر ایک کو ایک ایک نسخہ ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا دیا اور ہر ایک نے شکریہ ادا کرتے ہوئے سیلوٹ کر کے کتاب لے لی۔ اس کے بعد انہوں نے اس کتاب کی بہت تعریف کی اور اسے پڑھنے کی تلقین کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ میری میم صاحب تو اس کتاب کی عاشق ہے۔

حضرت شیخ صاحبؓ مزید بیان فرماتے ہیں کہ چند روز بعد میجر وارڈن کا تبادلہ ہوگیا تو ہم اُنہیں الوداع کہنے بنوں ریلوے سٹیشن پر گئے۔ اُن کی اہلیہ نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ میں آپ کی اس کتاب کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں، مَیں اس سے علیحدگی پسند نہیں کرتی۔ پھر کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کی بہت تعریف کی۔ اس افسر (مسٹر وارڈن) کا یہ بھی کہنا تھا کہ میرے دل پر اس کتاب کا ایسا اثر ہوتا ہے جیسے دہکتے ہوئے کوئلوں پر پانی کے گرنے سے ٹھس ٹھس کی آواز آتی ہے، ایسا ہی میرے دل کے شعلے اس سے ٹھنڈے ہوتے ہیں۔

قارئین محترم! اس شاندار کتاب کے تعارفی کلمات کے علاوہ چند مثالیں پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تائید کے ساتھ سلطان القلم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلم سے جو مضمون رقم کروایا تھا اور جس نے گزشتہ سوا سو سال میں ہر قوم کے نیک طبع قلوب اور پاکیزہ اذہان میں اسلام کی حقانیت کا بیج بویا ہے اور اہلِ ایمان میں تعلق باللہ کے پودے کی آبیاری کی ہے، اس عظیم الشان مضمون کو زیر مطالعہ رکھنا، اپنے ماحول میں اس کی ترویج کرنا، غیروں میں اس کی ہر ممکن اشاعت کرنا یعنی تبلیغ و تربیت کے میدانوں میں اس سے کماحقہٗ استفادہ کرنا ہم میں سے ہر احمدی کا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اطاعت کا مادہ نظام کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس جب بھی خلافت ہوگی اطاعت رسول بھی ہوگی کیونکہ اطاعت رسول یہ نہیں کہ نماز پڑھو یا روزے رکھو یا حج کرو۔ یہ تو خدا کے احکام کی اطاعت ہے۔ اطاعت رسول یہ ہے کہ جب وہ کہے کہ اب نمازوں پر زور دینے کا وقت ہے تو سب لوگ نمازوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب زکوٰۃ اور چندوں کی ضرورت ہے تو وہ زکوٰۃ اور چندوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب جانی قربانی کی ضرورت ہے یا وطن کو قربان کرنے کی ضرورت، تو وہ جانیں اور اپنے وطن قربان کرنے (چھوڑنے) کے لیے کھڑے ہو جائیں۔'' (تفسیر کبیر۔ سورۃ نور)

طُورِ سینا کی ضِیاء باریاں

(انگریزی سے ترجمہ)

(عبدالرحمٰن شاکر)

جنوری 1947ء میں کیلی فورنیا یونیورسٹی امریکہ نے ایک مہم جزیرہ نما عقبہ میں تحقیقات کے لئے بھجوائی تا زمانہ بائبل کے بعض سربستہ رازوں کو منظرِ عام پر لایا جائے۔ اِس مہم کا لیڈر ایک 26 سالہ نوجوان وینڈل فلپس تھا۔ دوسرے ممبر ڈاکٹر ہنری فیلڈ تھے جو نیچرل ہسٹری میوزیم شکاگو کے ڈائریکٹر تھے۔ تیسرے ممبر بائبلی زمانہ کے آثارِ قدیمہ کے ماہر اور السنہ قدیم کے مشہور استاد ڈاکٹر ولیم ایف آل برائٹ جان ہاپکنس یونیورسٹی کے تھے۔ چوتھے اور پانچویں ممبر ولیم بی ٹیری اور ان کی اہلیہ گلیڈیز ٹیری بطور فوٹوگرافر کے تھے۔ چھٹے ممبر ایک انجینئر صاحب تھے جو موٹروں اور دیگر آلات کے نگران تھے۔ یہ پارٹی دو موٹر لاریوں میں موجودہ زمانے کے تمام ضروری آلات سے لیس ہو کر 12 جنوری 1947ء کو ویرانوں کو عبور کرتے ہوئے آخر کار سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ کے باہر پہنچ گئی۔ یہ خانقاہ جبل موسیٰ کے عین دامن میں واقع ہے۔ اس جگہ پر یونانی راہبوں نے چودہ سو سال سے ایک قلعہ بندی کی صورت میں رہائش اختیار کی ہوئی ہے۔

اب آگے پارٹی کے لیڈر کی زبانی سنیئے:

جس جگہ ہمارے ٹرک جا رُکے یقیناً وہ مقام اس جگہ سے دُور نہ ہوگا جہاں بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دس الواح لے کر پہاڑ سے اُترنے کے منتظر رہے ہوں گے۔ قاہرہ سے ہماری پارٹی کو بشپ پورفائی رَس سوم (جو سنائی کے آرچ بشپ ہیں) نے خانقاہ میں اقامت گزین ہونے کے لئے پرمٹ اور اپنا تعارفی خط بھی دیا تھا۔

ایک بھاری بھرکم دروازہ کُھلا اور تقریباً ایک درجن نفوس ہماری طرف بڑھے۔ معاً ہمارے دلوں میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ ان لوگوں سے بات چیت کرنے میں سخت دقّت کا سامنا ہوگا کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی یونانی زبان نہ جانتا تھا۔ مگر یوں سمجھئے کہ گویا اندھیری رات میں یکا یک اُجالا پیدا ہوا جب نہایت شستہ انگریزی میں پادری نیل صاحب (Nile) نے ہم کو خوش آمدید کہا۔ وہ پانچ زبانوں کے ماہر نکلے اور آگے چل کر بطور ترجمان بہت مفید ثابت ہوئے۔

ہم نے ٹرکوں پر سے سامان اُتارنا شروع کیا تو کئی معاون ہاتھوں نے ہماری امداد کی۔ ہمارے یہ معاون انہی پہاڑوں میں رہنے والے باشندے تھے جن کو جَبَلِیَّہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ نسلاً بعدنسلٍ اس خانقاہ کے ملازم چلے آتے ہیں۔

مطلع بہت صاف تھا اور رات خوب سرد تھی کیونکہ سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ بحرِ قلزم کی سطح سے پانچ ہزار فٹ بلند ہے۔ آئندہ پانچ دنوں کے قیام میں پادری نائیل صاحب ہمارے راہبر اور ہر وقت کے ساتھی بنے رہے۔ انہوں نے ہمیں گرم گرم کھانا کھلا کر آرام کے لئے بھیج دیا۔

دُنیا سے یہ الگ تھلگ خانقاہ قاہرہ اور یروشلم سے براستہ ہوائی جہاز دو سو میل کے فاصلے پر ہے اور جزیرہ نما عقبہ کے جنوب وسط میں واقع ہے۔

اگلی صبح جب ہم خانقاہ کے صدر دروازے کے شاہ نشین پر کھڑے تھے تو پادری نیل صاحب نے ہمیں بتایا کہ دُنیا کے چند مقامات میں سے یہ ایک مقام ہے جہاں ''سورج مغرب سے طلوع ہوتا ہے۔'' اور حقیقت میں یہ تھا بھی درست۔ کیونکہ یہ خانقاہ 7497 فٹ بلند جبلِ موسیٰ (روایتی طور پر مشہور کوہِ طُور) کے شمالی بازو کے دامن میں کچھ اس طرح واقع ہے کہ سورج کی کرنوں کو پہاڑ روک لیتا ہے اور سورج خانقاہ پر ایک مغربی بازو سے عکس فگن ہوتا ہے۔

پروفیسر ولیم آل برائٹ اس دُھن میں سرگرم تھے کہ کسی طرح وہ فلسطین، اُردن اور وادیٔ نیل میں مماثلت کا ثبوت بہم پہنچا سکیں۔ یقیناً ان کا وسیع علم اور گہرا مطالعہ بائبلی گتھیوں پر نئی روشنی ڈال سکتا تھا۔

اپنی اس مہم میں امداد کے لئے ہم نے گُنتی قوم کے چند چیدہ چیدہ افراد کو ہمراہ لیا تھا۔ یہ لوگ لکسر luxor (مصر) کے آس پاس بستے ہیں اور مصر، سوڈان، فلسطین، شام اور اُردن میں ان کی خاصی توقیر ہے۔ اس وجہ سے کہ کُھدائی کے معاملے میں یہ لوگ بڑے ماہر، محنتی اور تجربہ کار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خود ہی اپنے کام پر بڑے نازاں تھے۔ اس کے علاوہ متفرق امور میں بھی یہ ہم کو قابلِ قدر امداد دیتے تھے کیونکہ بڑے اچھے باورچی ہوتے ہیں اور ایسی مہموں میں خوب کام دیتے ہیں۔ مہم والوں کے ذرا سے نقصان کو بھی یہ لوگ اپنے لئے سخت بےعزتی سمجھتے ہیں۔

اِس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے مصر سے نکلنے کا راستہ بھی ہم نے متّعین کر لیا اور یہ اصل قائم کی گئی کہ جس جگہ سے حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم نے بحرِ قلزم کو عبور کیا تھا وہاں پر کسی زمانہ میں نرسَل (یعنی جھنب) سے اَٹا ہوا سمندر رہا کرتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے خروج کی تاریخ 1500 قبل مسیح ہے اور جس راستہ سے آپؑ اپنی قوم کو ہمراہ لے کر چلے وہ موجودہ بحرِ قلزم کا شمالی حصّہ ہے۔

قدیم علماء نے یہ فرض کر لیا ہوا ہے کہ جس جگہ سے حضرت موسیٰؑ نے سمندر پار کیا تھا اس کی سطح خروج کے زمانے میں آج سے پچیس فٹ بلند تھی اور یہ علاقہ موجودہ Bitter lakes تک پھیلا ہوا تھا۔ ہمارے یہ نظریے تمام کے تمام بائبل کے عین مطابق ہیں۔ حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کا تعاقب فرعونِ مصر کی فوج اپنے رتھوں اور گھوڑوں پر کر رہے تھے مگر آپؑ چونکہ زیادہ قابل جرنل تھے آپؑ نے اپنے گروہ کو نرسَل کے سمندر میں سے ایک شدید طوفان کی آمد سے قبل ہی پار اُتار دیا۔

خروج کے بیان کے مطابق مصریوں نے اسرائیلیوں کا تعاقب سخت دلدلی زمین میں کیا جہاں آ کر اُن کے رتھ کیچڑ میں دھنس کر رہ گئے۔ تب غیر متوقع طوفان

نے اُن بدبختوں کو آن گھیرا اور خدا تعالیٰ نے مصریوں کو سمندر میں غرق کر دیا حتیٰ کہ اُن میں سے ایک بھی زندہ نہ بچ سکا۔ (دیکھئے خروج باب14۔آیت28-27)

''اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اُوپر بڑھایا اور صبح ہوتے ہوتے سمندر پھر اپنی اصلی قوت پر آ گیا اور مصری اُلٹے بھاگنے لگے اور خداوند نے سمندر کے بیچ میں مصریوں کو تہ و بالا کر دیا اور پانی پٹ کر آیا اور اُس نے رتھوں اور سواروں اور فرعون کے سارے لشکر کو جو اسرائیلیوں کا پیچھا کرتا ہوا سمندر میں گیا تھا غرق کر دیا اور ایک بھی اُن میں سے باقی نہ چُھوٹا''۔ اور معجزہ مکمل ہو چکا تھا۔

قدامت کے لحاظ سے سرکنڈوں کا سمندر بحرِ قلزم کا ہی حصہ ہے اور اس سے وہ تضاد دُور ہو جاتا ہے جو بظاہر Reed Sea اور Red Sea میں نظر آتا ہے۔

خانقاہ میں ایک لائبریری بھی تھی جس میں بہت سے قدیم نوشتے حفاظت سے دھرے تھے۔ اُن میں سے ایک سے ثابت ہوا کہ ملکہ ہلینا (والدہ شہنشاہ قسطنطین) 342ء میں یہاں آئی اور اس کے حکم سے اس جگہ گرجا تعمیر کیا گیا جہاں حضرت موسیٰؑ کو جھاڑی میں آگ جلتی نظر آئی تھی اور خدا کے فرشتے نے حضرت موسیٰؑ سے بات چیت کی تھی: ''اور خداوند کا فرشتہ ایک جھاڑی میں سے آگ کے شعلہ میں اُس پر ظاہر ہوا۔ اس نے نگاہ کی اور کیا دیکھتا ہے کہ ایک جھاڑی میں آگ لگی ہوئی ہے۔ تب اُس نے کہا اے موسیٰ! اے موسیٰ! اُس نے کہا میں حاضر ہوں۔ تب اُس نے کہا ادھر پاس مت آ۔ اپنے پاؤں سے جوتا اُتار کیونکہ جس جگہ تو کھڑا ہے وہ مقدس زمین ہے۔''

خانقاہ کے دوسرے حصّوں کی بھی خوب سیر کی گئی اور اسی ضمن میں ایک بہت بڑے چوبی دروازے میں سے گزر کر بازنطینی طرزِ تعمیر پر بنے ہوئے Church of Trans Figuration (کینسیہ ظہورِ جلالی) میں داخل ہوئے۔ یہ عمارت جو بعد میں سینٹ کیتھرائن کے نام سے موسوم ہوئی بارہ شاندار گلٹ کے ستونوں پر کھڑی ہے۔ اِس کے دروازے کی دہلیز پر یونانی زبان میں ثبت ہے:

''اِس مقام پر خدا نے موسیٰ سے کہا کہ مَیں تمہارے آبا کا خدا ہوں اور اسحاق کا خدا ہوں اور یعقوب کا خدا ہوں۔ مَیں ہوں جو ہوں۔ یہ خداوند کا دروازہ ہے کاش حق پرست لوگ اس میں داخل ہوں۔''

اس کے بعد پادری نیل صاحب ہم کو سینٹ جان کے گرجا گھر لے گئے۔ یہاں ہم نے جُوتے اُتار دیے کیونکہ اب جہاں ہم داخل ہونے والے تھے وہ مقدس جگہ تھی۔ ایک تنگ دروازے میں سے ہم ایک قطار بنا کر چلنے لگے اور خاموشی سے نہایت مؤدبانہ طور پر اُس مقام کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جہاں حضرت موسیٰؑ کو جھاڑی میں آگ نظر آئی تھی۔ اِس مقام پر ہم حضرت موسیٰؑ کے عین نقشِ پا پر چل رہے تھے۔ اِس جگہ کے باہر ایک کیکر کا درخت تھا جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ حضرت ہارونؑ کے عصا سے پیدا ہوا تھا۔

''اور دوسرے دن جب موسیٰ شہادت کے خیمہ میں گیا تو دیکھا کہ ہارون کی لاٹھی میں جو لاوی کے خاندان کے نام کی تھی کلیاں پھوٹی ہوئی اور شگوفے کِھلے ہوئے اور پکے بادام لگے ہیں۔'' (گنتی باب17۔آیت8 تا10)

بعض مبتدی راہبوں نے ہم میں سے ہر ایک کو اس درخت کے کچھ پتے دیئے۔ مَیں نے یہ پتے اپنی بیٹی کی بائبل میں رکھ لیے۔

اِس عیسائی خانقاہ میں ہم ایک مسجد دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ یہ مسجد ابوعلی منصور کے حکم سے 1106-1101ء میں بدّو اور جبلی لوگوں کے لیے تعمیر ہوئی تھی کیونکہ ان کے لئے مقام عبادت کوئی نہ تھا۔ جیکس آف ورونا 1335ء میں ایک راہب گزرا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ مسلمان امام اس مسجد کے منارے سے اذان دیتے تھے کیونکہ اس زمانہ میں یہ خانقاہ سلطان کے مقبوضات میں سے تھی۔

اپنے قیام کے آخری روز دوپہر کے وقت ہم ساڑھے تین ہزار سیڑھیاں طے کر کے کوہِ طُور کی چوٹی پر گئے۔ یہ سیڑھیاں ایک راہب نے پہاڑ کو تراش کر بنائی ہیں۔ راستے میں کافی بلندی پر جا کر ہم کو ایک دروازے میں سے گزرنا پڑا۔ یہاں رواج کے مطابق تمام زائر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ ہم یہاں ایک سرو کے درخت کے قریب ستانے کے لئے ٹھہر گئے جو ایک چشمہ کے پاس ہے۔ پاس ہی وہ جگہ ہے جہاں تورات کے بیان کے مطابق پہاڑی کوّوں نے ایلیا کو خوراک بہم پہنچائی تھی: ''اور تُو اسی نالہ میں سے پینا اور مَیں نے کوّوں کو حکم کیا ہے کہ وہ تیری پرورش کریں۔'' (سلاطین 1۔آیت4)

آخر کار دو گھنٹے کی کافی مشکل (مگر دوبھر نہ تھی) چڑھائی کے بعد ہم کوہِ طُور کی چوٹی پر کھڑے تھے۔ جہاں ہم نے پانی کے چند گھونٹ پئے اور گوند والی ٹکیاں مُنہ میں ڈالیں۔ اوپر سے بڑا عجیب نظارہ تھا۔ نیچے خلیج عقبہ اور جنوب مشرق کی طرف راس محمدؐ نظر آتی تھی۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی سنہری کرنوں میں ہر چیز خوب نمایاں طور پر نظر آتی تھی۔ چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی اور ویرانے کا سا عالم تھا۔ عین اس وقت ہم کو یاد آیا اور اس بات نے ہم کو بہت متاثر کیا کہ بالکل اسی مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن اور راتیں اکیلے ہی بسر کی تھیں۔ جب خدا نے ان کو پتھر کی الواح، شریعت اور احکام عطا فرمائے تھے:

''اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ پہاڑ پر میرے پاس آ اور وہیں ٹھہر اور مَیں تجھے پتھر کی لوحیں اور شریعت اور احکام جو مَیں نے لکھے ہیں دوں گا تاکہ تو ان کو سکھائے۔'' (خروج باب24۔آیت12)

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اگر ہمارے عمل اس قابل نہیں، ہماری عبادتیں سوز وگداز سے بھری ہوئی نہیں، ہم اللہ کی نظر میں مقبول نہیں تو لاکھ ہم ﴿نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ﴾ کہتے رہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور دوسرے لوگ آ کر یہ مقام لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو اس طرح قبول نہیں کرتا۔ وہ تو یہی کہے گا کہ پہلے اپنی حالت درست کرو، اپنے اعمال درست کرو، انسانی حقوق ادا کرو، پھر میرے دین کے مددگار کہلا سکتے ہو۔''

(سالانہ اجتماع انصار اللہ یوکے 2005ء سے خطاب)

حضرت حسین بن منصور الحلّاجؒ

(کلیم احمد کِم)

آپؒ کا نام حسین تھا اور آپ کے والد کا نام منصور تھا۔ آپ 857ء میں فارس کے شہر بیضاء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا کا نام محمی تھا جو مجوسی تھے۔ آپ کا خاندان ایک غریب خاندان تھا۔ اکثریت آپ کو منصور حلاّج کے غلط العام نام سے یاد کرتی ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ دَور دراصل شیعہ اقتدار کا تھا اور بعض لوگ حسین کہنے اور لکھنے میں حضرت امام حسینؓ کی بے ادبی سمجھتے ہوں گے اس وجہ سے آپ اپنے والد کے نام سے مشہور ہوئے۔ حلاّج کہلانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز آپ اپنے دوست کی دکان پر گئے جو کہ روئی کو دھنکنے والا تھا۔ آپ نے اس کو کہا کہ میرا یہ کام فلاں جگہ پر ہے آپ جا کر کروا دو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس بہت کام ہے، اگر میں تمہارے کام کے لئے جاؤں تو وعدے کے مطابق مَیں روئی نہ دھنک سکوں گا۔ آپ نے کہا کہ اس کی فکر نہ کرو۔ تم میرا کام کر کے آؤ، مَیں تمہارے کام کا حرج نہ ہونے دوں گا۔ چنانچہ وہ چلا گیا اور جب واپس آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حسین بن منصور نے ساری دکان کی روئی دھنک دی تھی جو کہ کئی دنوں کا کام تھا۔ اس وجہ سے آپؒ حلاّج مشہور ہو گئے۔ حلاّج روئی دھنکنے والے کو کہتے ہیں۔

آپ کی ایک بہن بہت پارسا اور زاہدہ تھیں۔ غالباً یہی تصور کیا جاتا ہے کہ آپ اپنی بہن کے تقویٰ سے بہت متاثر تھے۔ ابتدائی تعلیم تُستر میں حاصل کی۔ بارہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ تستر میں آپ سہل بن عبداللہ تستری کی صحبت میں رہے۔ سولہ سال تُستَر میں قیام پذیر رہنے کے بعد آپ بغداد آ گئے اور حضرت جنید بغدادیؒ کی شاگردی اختیار کی۔ ایک سال تک ان سے علم و عرفان کی پیاس بجھائی۔ پھر عمرو بن عثمان مکی کی شاگردی اختیار کی اور تقریباً ڈیڑھ سال اُن سے اکتسابِ فیض کیا۔ یہاں آپ نے ابویعقوب کی بیٹی کے ساتھ نکاح کر لیا جس کی وجہ سے حضرت عمرو بن عثمان کے ساتھ آپ کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ اس پر آپ حضرت جنید بغدادیؒ سے رہنمائی کے طالب ہوئے جنہوں نے آپ کو صبر کی تلقین کی اور دونوں بزرگوں کی خاطر داری کا کہا۔

شیخ الاکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ بھی آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کے بارہ میں لکھا ہے کہ آپ کو طریقت میں دشواری پیش آ گئی تھی اور اُس زمانے میں ایسا کوئی شخص نہ تھا جو آپ کو اس دشواری سے نکال دیتا۔ علامہ شیبانی اور حضرت مولانا رومؒ نے حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کو اولیاء میں شامل کیا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ آپ کے بارہ میں 'کشف المحجوب' میں لکھتے ہیں کہ سیّدنا حضرت حسین بن منصور حلاّجؒ ایک خفی عالم اور عالی ہمّت بزرگ تھے۔

حضرت عمرو بن عثمان کے ساتھ تعلّقات کشیدہ ہونے کے بعد منصور حلاّجؒ کی طبیعت سیاحت کی طرف مائل ہو گئی۔ پھر آپ نے مشاہدہ و تجربہ کو اپنا استاد بنا لیا۔ یہ انتہائی دشوار رہگزر ہوتی ہے اور اس راہ میں مشقت و ریاضت کی سنگلاخ وادیوں کو استقامت کے ساتھ پار کرنا ہوتا ہے۔ بہرحال بغداد سے آپؒ حج کے لئے 270ھ میں مکّہ گئے جہاں ایک سال رہے۔ دن کو روزہ رکھتے اور شام کو ایک روٹی پانی کے ساتھ کھا کر افطار کر لیتے۔ سارا دن محبت الٰہی میں مستغرق رہتے۔ کعبہ میں یہ ایک سال مجاور بن کر گزارا۔ پھر آپؒ واپس تُستر آ گئے تو آپؒ کے ساتھ چند صوفیاء کرام اور مریدین بھی تھے۔ آپؒ کی شہرت ہوئی تو کئی حاسدین پیدا ہو گئے۔ آپؒ کی طبیعت میں ایک اضطراب پایا جاتا تھا۔ چنانچہ غیر متوقّع حالات دیکھ کر آپ نے صوفیانہ لباس اتار پھینکا اور اہل طریق سے الگ ہو کر فوجیوں والا لباس زیب تن کر لیا۔ پھر دنیاداروں کی صحبت میں رہنے لگے تا کہ لوگوں میں نیک نامی کی شہرت نہ ہو۔ دراصل آپؒ تنہائی اور گمنامی میں اللہ کی عبادت میں گم ہونا چاہتے تھے اور لوگوں کی وجہ سے آپ کی عبادت میں مکمل توجہ قائم رکھنے میں مشکل پیش آتی تھی۔ پھر تُستر سے پانچ سال کے لیے غائب رہے اور اس دوران خراسان، سجستان ماوراء النہر کی سیاحت کی۔

پھر آپ فارس آ گئے اور تبلیغ و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ یہاں ابوعبداللہ زاہد کے نام سے مشہور ہوئے۔ پھر اہواز چلے گئے۔ کچھ عرصہ بغداد میں بھی گزارا اور اس کے بعد آپؒ نے کفرستان یعنی ہندوستان کا سفر کیا اور اشاعت اسلام کی۔ ہندوستان میں آپؒ کے تقویٰ کے باعث بہت شہرت ہو گئی اور کرامات وغیرہ دیکھ کر ہزاروں لوگ آپؒ کے مرید بن گئے۔ ایک معجزہ یہ بھی مشہور ہے کہ آپؒ کے پاس کچھ مفلوک الحال لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہماری مدد فرمائیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ مَیں تو خود مفلوک الحال ہوں، مگر پھر لوگوں کا اصرار دیکھ کر آپؒ نے دعا کی کہ اے اللہ! اگر تو نے ہی یہ لوگ مدد کے حصول کے لئے میرے پاس بھیجے ہیں تو تُو ہی ان کی حاجات کو پورا کرنے کے اسباب پیدا کر اور ان کی مشکل کشائی کر۔ اس کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ ہوا میں بلند کیا اور مٹھی جب کھولی تو اس میں درہم تھے جو آپؒ نے اُن ضرورتمندوں کو دے دیے۔ ہندوستان میں آپ کو مغیث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ چین اور ترکستان بھی گئے تھے۔ وہاں آپؒ کو مقیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ خراسان والے آپ کو ممیّز، خوزستان والے شیخ حلاّج الاسرار، اہلِ بغداد مصطلم اور بصرہ والے مُحیّر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

پھر آپؒ تیسری مرتبہ حج کے لئے مکّہ گئے اور دو سال وہاں مجاور بن کے رہے۔آپؒ کوشہرت سے اتنی نفرت ہوگئی کہ میدانِ عرفات میں آپؒ نے یہ دعا مانگی کہ اے خدائے برتر! مجھے اس سے زیادہ بےنوا اور حاجتمند بنادے جیسا میں نظر آتا ہوں۔یعنی محتاجی اور فقر کو زیادہ کردے۔......لوگوں کو مجھ سے بیزار کردے تاکہ پھر میری زبان سے شکر کا جو کلمہ نکلے وہ فقط تیرے ہی لئے ہو۔

دراصل آپؒ صوفیاء کی طرح تنہائی اور گوشہ گمنامی میں یکسوئی کے ساتھ عبادت بجالاتے ہوئے اپنی زندگی گزارنا چاہتے تھے۔یہ دعا قبول ہوگئی اور وہ لوگ جو کرامات دیکھ کر آپؒ کے قریب ہونا چاہتے تھے وہ آپؒ سے بیزار ہونے لگے۔

حضرت ابن منصور حلاّج کی طبیعت میں ایک اضطراب تھا۔عرفات کے میدان والی دعا سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ آپ فنافی اللہ ہونے کے لئے ہر قسم کی مشکلات کے لئے تیار تھے۔جب آپ مکّہ سے واپس بغداد آئے تو صوفیانہ روش سے بدلے ہوئے تھے۔آپ نے بغداد میں اپنا مکان بنوایا۔لوگوں میں آپ کی مخالفت بڑھنے لگی۔بعض نے الزام لگایا کہ آپ خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں،بعض نے کہا کہ آپ جادو کرتے ہیں۔محمد بن داؤد اور دیگر علماء نے آپ کی شدید مخالفت کی اور آپؒ کی ظاہری حالت کو قبیح گردانا۔حضرت شبلیؒ اور بعض صوفیاء بھی بظاہر آپؒ کے خلاف ہوگئے۔الغرض کچھ لوگ آپ کو ساحر یا مجنون اور بعض صاحب کرامات اور صاحب اجابتِ سوال کہنے لگے۔

ایک الزام یہ بھی ہے کہ آپؒ کو مثل قرآن بنانے کا دعویٰ تھا۔اور آپ کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے:یمکننی ان اولف مثلہ۔حالانکہ اس کا ہرگز یہ مطلب نہ تھا کہ میں قرآن کا مثل من کل الوجوہ بنانے پر قادر ہوں بلکہ مطلب صرف یہ تھا کہ جیسے مضامینِ ہدایت قرآن میں ہیں وہ میرے قلب پر بھی بطور الہام وارد ہوتے ہیں جن کو اپنے الفاظ میں بیان کرسکتا ہوں جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے:اَلَا وَاِنِّی اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَمِثْلَہٗ (جمع الفوائد کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ) (یعنی مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے علوم و معارف اور مضامین کا ہر وقت مجھ پر ورود ہوتا ہے)۔

گویا قرآن کا مثل فرمایا گیا مگر ظاہر ہے کہ مثل من کل الوجوہ مراد نہیں،نفس حجیت میں مراد ہے اور درجہ حجیت میں بھی مساوات نہیں۔

الغرض حضرت حسین بن منصور حلاّجؒ کے بعض اقوال سے آپؒ پر کئی فتوے لگائے گئے۔ایک الزام یہ بھی ہے کہ آپ اَنَا الْحَق کا نعرہ لگاتے تھے۔حالانکہ آپؒ کے عقیدۂ توحید کا لفظ لفظ کتاب اللہ سنت اور مذہب سلف صالحین کی تفسیر ہے۔جس میں صراحتاً یہ ہے کہ مخلوق کو اللہ کے ساتھ کسی قسم کا اختلاط و امتزاج نہیں ہوسکتا۔نہ حلولاً نہ اتحاداً۔پس اگر ابن منصور کی زبان سے یہ لفظ ادا ہوگیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو خدا کہتے ہیں کیونکہ انسان کا حادث ہونا ظاہر ہے۔ابن منصور کے عقیدہ کے مطابق حادث محتاج قدیم سے متحد نہیں ہوسکتا۔اگرچہ شارحین آپ کے اس قول کی یہ بھی تاویل کرتے ہیں کہ ابن منصور کی زبان کلام حق کی ترجمان تھی ان کی زبان سے اسی طرح انا الحق نکلا تھا جیسا کہ قرآن مجید کی آیت مبارکہ ہے کہ شجر موسیٰ سے یہ آواز آئی:انّی انا اللہ ربّ العالمین یعنی میں ہی اللہ ہوں جو تمام جہانوں کا ربّ ہوں۔ظاہر ہے کہ درخت نے تو یہ نہیں کہا تھا بلکہ وہ اس وقت کلام الٰہی کا ترجمان تھا۔صوفیاء اور اہل اللہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ غلبہ حالات و واردات میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عارف کی زبان سے بھی تکلّم فرماتے ہیں۔پس یہ مسلّم ہے کہ ابن منصور کی زبان سے انا الحق نکلا ہو مگر یہ مسلّم نہیں کہ ابن منصور نے خود کو انا الحق کہا تھا۔آپ خود فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی حقیقتِ توحید سے آشنا ہوجاتا ہے اس کے دل و زبان سے کیوں اور کیسے ختم ہوجاتا ہے۔یعنی وہ احکام خداوندی میں چوں چرا نہیں کرسکتا اور ہر حال میں اللہ کی رضا میں راضی رہتا ہے۔ہر حکم اور تقدیر میں راضی بالرضا رہتا ہے۔

ایک اَور آپؒ کا قول ہے کہ جب حق غالب آجاتا ہے تو انسان کو اسرار کا مالک بنادیتا ہے اور وہ اس کا معائنہ کرنے لگتا ہے اور وہ پھر ان کو بیان بھی کرتا ہے۔

’خطیب تاریخ بغدادی‘ میں ابن منصورؒ کا یہ قول بیان ہوا ہے کہ اوّلین و آخرین کے علوم کا خلاصہ چار باتوں پر مشتمل ہے: ربِّ جلیل کی محبت،متاعِ قلیل سے نفرت،کتاب منزل کا اتّباع اور تغیر حال کا خوف۔یہاں شریعت وطریقت کے سمندر کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ کوزہ میں بند کردیا گیا ہے۔

بہرحال آپؒ کی عرفات والی دعا کے نتیجے میں لوگ آپ سے دُور ہونے لگے اور اُس وقت کے خلیفہ مقتدر باللہ کا عیاش وزیر خزانہ حامد بن عباس آپ کا مخالف بن گیا۔وہ ایک لالچی اور غاصب شخص تھا جو آپؒ کو دِق کرنے کے بہانے ڈھونڈتا تھا۔وزیر حامد بن عباس کا ایک ساتھی ابن نصر بیمار ہوا تو حکیم نے اُس کے لئے سیب تجویز کیا لیکن وہ سیب کا موسم نہ تھا۔اس پر حضرت ابن منصور کو بلایا گیا کہ کوئی خوارق عادت کرامت دکھائیں۔ آپؒ نے دعا کی،پھر آپ نے ہوا میں اپنا ہاتھ بلند کیا اور آپ کے ہاتھ میں سیب تھا جو آپ نے اُن کو دے دیا۔یہ دیکھ کر دربار میں بیٹھے ہوئے لوگ تو آپؒ کی محبت میں دیوانے ہوگئے لیکن یہ چیز وزیر کو حسد میں بڑھانے لگی اور اُس نے یہ افواہ پھیلادی کہ آپؒ خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور آپؒ کا ایک خط دکھایا گیا جو آپؒ نے کسی کو لکھا اور اس خط کا آغاز یوں ہوتا تھا: من الرحمان الرحیم الیٰ فلان۔ آپؒ نے الزامات کی تردید کی اور کہا کہ مَیں تو ایک عام انسان ہوں۔من الرحمان سے مراد مَیں نہیں ہوں۔

دراصل آپؒ وحدت الوجود کے قائل تھے جو عام لوگ نہ سمجھتے تھے۔صوفیاء کے نزدیک وحدت الوجود سے مراد فنافی اللہ ہونا ہے۔یعنی اپنے آپ کو ختم کردینا اور خود کو بھی اللہ ہی کی ذات کا حصہ سمجھنا۔اگر اسے ہمہ وقت کسی کو یاد رکھنا ہے تو وہ اللہ کی ہی ذات ہوتی ہے۔وہ صرف اللہ کے بارہ میں سوچتا ہے اور اسی کی یاد میں گم رہتا ہے،اس کا مطمحِ نظر صرف خدا ہوتا ہے۔

بہرحال آپؒ کو 297ھ میں گرفتار کیا گیا اور ایک سال بعد چھوڑ دیا گیا۔پھر دوبارہ آپؒ پر الزامات لگا کر آپ کو 301ھ میں گرفتار کرلیا گیا۔308ھ تک آپؒ قید میں رہے۔آپؒ کے خلاف جھوٹی گواہیاں دی گئیں۔آپؒ پر جادوگری کے بھی جھوٹے الزامات لگائے گئے۔حالانکہ ابن منصور حلاّج حُسنِ معاشرت رکھنے والے،دنیاداری سے دُور،بہت عبادت گذار،محبتِ الٰہی اور محبتِ رسولؐ میں مستغرق رہنے والے وجود تھے۔آپؒ پر جادوگری کا الزام انتہائی لغو ہے۔

آخر یزید بن عباس نے دشمنی کی ساری حدیں پار کرلیں اور اُس نے قاضی اور چوراسی علماء کو بلوایا اور خفیہ طور پر اُن کو آمادہ کیا کہ ابن منصور پر قتل کا فتویٰ صادر کریں۔ایک الزام آپؒ پر یہ بھی لگایا گیا کہ آپ کرامتی ہیں اور اس فرقہ کی ترویج کے لئے کام کررہے ہیں۔کرامتی فرقہ کے لوگ کعبہ وغیرہ کو نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں

کہ آدمی دن کو روزہ رکھے اور اپنے کمرے میں ہی ایک روز کے لئے اعتکاف بیٹھ کر اور پھر اپنے کمرے کا طواف کر لے تو وہی کافی ہے، کعبہ میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بھی الزام لگایا گیا کہ آپؒ کہتے ہیں کہ اپنے کمرے میں دو نفل پڑھ لو اور ساری عمر عبادت نہ کرو تو وہی دو نفل کافی ہیں۔

جب ابن منصور حلاجؒ کو قاضی اور علماء کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت حسن بصریؒ کی کتاب آپؒ کے زیر مطالعہ رہتی تھی۔ وہ بھی وہاں لائی گئی لیکن حامد بن عباس نے انتہائی چالاکی کے ساتھ اُس قلمی نسخے میں تحریف کروا کر کرامتیوں کے چند اعتقادات اُس کے درمیان میں شامل کروا دیے۔ یعنی دو نفل ساری عبادت کے لیے کافی ہیں اور اعتکاف کے متعلق یہ کہ اپنے ہی کمرے کا طواف کرنے کے بعد حج کی ضرورت نہیں رہتی والے لکھوا کر وہ صفحات شامل کر دیے۔ پھر وہ کتاب قاضی کو دی گئی اور قاضی نے ابن منصور سے یہ سوال کیا کہ کیا آپ یہ حضرت بصری کی کتاب پڑھتے ہیں؟ آپؒ نے کہا کہ ہاں بالکل اس کتاب سے رہنمائی لیتا ہوں۔ تب قاضی نے اعتراض والے صفحات کے بارے میں جاننے کی کوشش ہی نہ کی کہ وہ حصہ بدنیتی سے کسی نے شامل کیا ہے۔ جبکہ حضرت حسین بن منصور نے ہاں میں جواب اس لیے دیا تھا کیونکہ آپ نے تو حضرت حسن بصری کی وہ کتاب پڑھی ہوئی تھی جو تحریف شدہ نہ تھی۔ لیکن ہاں کا جواب سن کر قاضی اور چوراسی علماء نے آپ کے خلاف فتویٰ دے دیا کہ الزامات درست ہیں اور سزا کے حق دار ہیں۔ وزیر خزانہ حامد بن عباس نے وہ فتویٰ اس وقت کے خلیفہ مقتدر باللہ کو اس سفارش کے ساتھ بھیجا کہ ابن منصور حلاّج کے خلاف قاضی اور علماء کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ قصوروار ہیں اور ان کو سخت سے سخت سزا دی جائے اور ان کی ذات سے خلافت کو بھی خطرہ ہے۔ چنانچہ خلیفہ نے آپؒ کو سو تازیانے لگانے کا حکم دیا اور کہا کہ اگر تازیانوں سے ہلاک نہیں ہوتے تو ان کو سولی چڑھا دیا جائے۔

یہ حکم ملتے ہی وزیر نے آپؒ کو سولی دئے جانے کی خبر کی شہر میں منادی کروا دی۔ مقررہ وقت پر لوگوں کا جمِ غفیر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں آپؒ کو سزا دینی تھی۔ کوتوال محمد بن الصمد نے آپ کو زنداں سے طلب کیا۔ جب آپ کو لایا گیا تو لوگوں نے آپؒ پر پتھر برسائے۔ پھر آپؒ کو سو تازیانے لگوائے گئے اور تازیانے لگانے والا انتہائی طاقتور ملازم وزیر حامد بن عباس کا کارندہ تھا۔ اس نے انتہائی درشتی کے ساتھ یہ فعل سرانجام دیا۔ لیکن حضرت ابن منصور حلاّج نے اُف تک نہ کی اور ہر تازیانہ پر حضرت سیدنا بلالؓ کی طرح احد احد ہی کہتے رہے۔ آپؒ کے چاہنے والے بعض لوگ آہ و بکا کرتے اور دُکھ کا اظہار کرتے رہے۔ اللہ کی محبت میں سرشار ایک متوالا سولی پہ لٹکنے جا رہا تھا۔ جب آپ نے تازیانوں پر اُف نہ کی تو وزیر حامد بن عباس پاگل ہو گیا اور اس نے کہا کہ ابن منصور حلاّج کو مقتل گاہ لایا جائے اور اس نے حکم دیا کہ آپؒ کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں، پھر ٹانگیں کاٹ دی جائیں۔ سیرت کی مختلف کتابوں میں لکھا کہ جب آپ کے اعضاء کٹ کر نیچے گرتے تھے تو ان کے اعضاء سے اناالحق کی آواز آتی تھی۔ اس کے بعد آپ کی گردن میں لکڑی کا شکنجہ ڈال دیا گیا اور جلاّد نے آپ کا سر قلم کر دیا۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپؒ کے معاصرین اور مشائخ نے آپؒ پر الزامات کے خلاف قاضی شہر کے سامنے آپؒ کی مدد کیوں نہ کی۔ خطیب ''تاریخ بغدادی'' میں لکھتے ہیں کہ اکثر صوفیاء اور مشائخ نے حلاّج کو ردّ کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ حامد بن عباس آپؒ کے قتل کے درپے ہو گیا تھا۔ وہ جس کو بھی حضرت حلاّج کی موافقت اور تائید میں پاتا اُس کے خلاف ہو جاتا۔ اس لئے لوگوں نے آپ کی تائید نہ کی۔ چنانچہ جب ابوعباس بن عطاءؒ، ابومحمد جریریؒ اور شبلیؒ کے متعلق ابن منصورؒ نے اپنی موافقت کا دعویٰ کیا تو ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ابومحمد جریری اور شبلی تو حقیقت چھپاتے ہیں، اگر کوئی تائید کرے گا تو ابوالعباس بن عطاء ہی کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب ان تینوں سے پوچھا گیا تو باقی دونوں نے موافقت سے انکار کر دیا۔ صرف حضرت ابوعباس بن عطاء نے یہ کہا کہ مَیں ان کا معتقد ہوں اور مَیں ان کی تائید کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپؒ نے وزیر حامد بن عباس کو کہا کہ تم کو اس سے کیا واسطہ۔ جاؤ جو تمہارا کام ہے، یعنی ظلم و ستم، کرو۔ تم کو ان بزرگوں کے کلام سے کیا تعلق ہے۔ اس پر حامد بن عباس کو غصہ آ گیا اور اس نے آپؒ کے منہ پر گھونسے مارنے کا حکم دیا جس کے نتیجے میں آپؒ کے منہ سے خون بہنے لگا۔ آپؒ نے حامد بن عباس کو کوسا تو اُس کو اَور غصہ آ گیا اور اُس نے آپؒ کے سر پر جوتیاں مارنے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ ظلم بھی کیا گیا اور پھر قید کر دیا گیا لیکن خلقت کے خوف سے آپؒ کو جلد ہی گھر منتقل کر دیا گیا۔ اس ظلم پر آپؒ نے اللہ کے حضور یہ دعا کی کہ اللہ! اس وزیر کو قتل کر دے اور اس کے ہاتھ پیر کٹوا دے۔ اگرچہ اس واقعہ کے ایک ہفتے کے بعد آپؒ کا انتقال ہو گیا لیکن آپؒ کی بددعا کی وجہ سے وزیر حامد بن عباس بعد میں قتل کیا گیا اور قتل سے قبل اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔

حضرت ابوبکر شبلیؒ نے لکھا ہے کہ منصور حلاّج کو اس وجہ سے سولی دی گئی کیونکہ اس نے اللہ کے راز کو عام لوگوں پر آشکار کر دیا تھا۔ ایک راوی لکھتا ہے کہ جب منصورؒ پر پتھر پھینکے گئے تو آپؒ نے اُف تک نہ کی لیکن ایک پتھر لگنے پر آپ نے آہ بھری اور کہا کہ یہ شخص تو سارا معاملہ جانتا تھا، اس کا پتھر لگنے سے بہت تکلیف ہوئی۔ (یہ حضرت شبلی تھے جو حامد بن عباس کے ڈر کی وجہ سے تائید سے باز رہے تھے۔)

تاریخ کی ستم ظریفی دیکھیے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کا انجام بھی بہت برا ہوا۔ جب بربروں نے حملہ کیا تو خلیفہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کو ایک بربر نے پکڑ کر اس کے کپڑے اتروائے اور اس کا سر قلم کر دیا اور خلیفہ کا سر اپنے نیزے پر لگا کر پھرتا رہا۔ وزیر خزانہ حامد بن عباس کو اُس کے گھر میں ہی حملہ آوروں نے پکڑا اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے۔ یہ کرب کے ساتھ تڑپ رہا تھا کہ ایک سپاہی اس سے گویا ہوا کہ میں تیری اتنی ہی مدد کر سکتا ہوں کہ تیرا سر کاٹ کر موت کی نیند سلا دوں اور یہ کہہ کر اس نے حامد بن عباس کو موت کی نیند سلا دیا۔

حضرت ابوالعباس رازی کہتے ہیں میرا بھائی حسین بن منصور حلاّج کا خادم تھا۔ جب وہ رات آئی جس کی صبح اُن کے قتل کے لئے مقرر تھی تو مَیں اُن سے ملنے زندان گیا اور کہا کہ حضرت مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ ابن منصور حلاجؒ نے کہا: اپنے نفس کی نگہداشت کرو اور اگر تم اسے حق (کی یاد اور اطاعت) میں نہ لگاؤ گے تو وہ تم کو حق تعالیٰ سے ہٹا دے گا (اور نفس اپنے شغل میں لگا دے گا یعنی شہوات میں پھنسا دے گا۔) تب ایک اَور آدمی نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے بھی کوئی نصیحت کیجیے تو آپؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے ساتھ رہو جیسا اس نے واجب کیا ہے۔ (یعنی واجبات اور فرائض کو ادا کرتے رہو) اسی سے اللہ تعالیٰ کی محبت تم کو حاصل ہوگی۔ گویا یہ آخری نصائح تھیں جو حضرت حسین بن منصور حلاّج نے کیں۔ ان سے حضرت حسین بن منصور حلاّج کا صوفی و عارف ہونا اظہر من الشّمس ہے۔

اپنے ایک محسن کا ذکرِ خیر

محترم مولانا بشیر احمد رفیق خانصاحب

(سیّد حسن خان۔ لندن)

مکرم ومحترم بشیر احمد رفیق خان صاحب مرحوم ومغفور ایک ایسی شخصیت تھے جن کے اوصاف اوران کی نیکیوں، ان کے احسانات اوران کی ہمدردیوں کا پوری طرح تذکرہ کرنا خاکسار کے لئے بے شک بہت ہی مشکل امر ہے۔ خاکسار جب 1972ء میں انگلستان آیا تو اس وقت آپ امام مسجد فضل لندن تھے اورآپ کے نائب مولانا عبدالوہاب آدم صاحب مرحوم ومغفور تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ ہر احمدی بھائی، بہن کا بہت خیال رکھتے، اُن کے گھروں میں بھی جا کر حال چال پوچھا کرتے اور ہر طرح سے ان کی مدد کرتے تھے۔

خاکسار کے ساتھ آپ کا سلوک بے لوث تھا اور آپ اس عاجز کے ساتھ بڑی شفقت کا سلوک کیا کرتے تھے۔ اُن دنوں جب میرے سسر محترم چوہدری محمد نذیر باجوہ صاحب مرحوم نے آپ سے مشورہ لیا کہ مجھے میری بیٹی کے لئے کوئی اچھا سا رشتہ بتائیں تو امام صاحب نے اُن سے کہا کہ مَیں تو صرف ایک ایسے لڑکے کا بتا سکتا ہوں جس کی مَیں ہر طرح سے گارنٹی بھی دے سکتا ہوں اور فی الحال اس سے اچھا رشتہ میری نظر میں کوئی نہیں ہے۔ پھر امام صاحب نے میرا نام لیا اور یہ بھی کہا کہ اس کے سارے خاندان کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ اس پر میرے سسر صاحب مرحوم نے انہیں کہا کہ آپ کہتے ہیں تو میں راضی ہوں۔ چنانچہ اس طرح رشتہ طے ہوکر میری شادی ہوئی۔ اُن دنوں خاکسار اپنی بڑی ہمشیرہ آپا صفیہ مرحومہ اہلیہ سید صادق نور مرحوم کے گھر میں رہتا تھا۔ لہٰذا مرحومہ نے میری شادی کے تمام انتظامات کیے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اس کی جزا عطا فرمائے۔

ایک دفعہ محترم امام صاحب مرحوم پاکستان جارہے تھے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ جب ہم لاہور پہنچے تو آپ کا انتظام حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحبؓ کے ساتھ محترم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب امیر جماعت لاہور کی کوٹھی میں تھا۔ آپ نے ازراہ شفقت خاکسار کو بھی اپنے ساتھ ہی ٹھہرایا اور وہاں بھی ہر طرح سے میرا خیال رکھتے رہے۔

خاکسار نے اپنی کتاب ’’ربوہ کی چند پرانی یادیں‘‘ لکھی تو شائع ہونے سے قبل مسوّدہ محترم امام صاحب کو دکھایا۔ آپ نے اسے پوری طرح پڑھا اور تعریفی نوٹ بھی لکھا جس میں فرمایا کہ ’’یہ کتاب اگرچہ مختصر سی ہے لیکن ایک ادبی شہ پارہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا اندازِ تحریر نہایت سادہ اور دلکش ہے اور مبالغہ آرائی سے کلیۃً پاک۔ یہ حقائق اور معلومات کا ایک بہتا دریا ہے۔‘‘

کتاب کے علاوہ میری ذات اور میرے نانا جان سید احمد نور کابلیؓ اور میرے

باقی صفحہ 23 پر ملاحظہ فرمائیں

باقی از صفحہ 18: **ایک واقفِ زندگی کی بیوی کی ڈائری**

ہیں۔ اس پر مَیں نے کہا مَیں احمدی مسلمان ہوں، مَیں نے تو ادھر رکھنا ہے جہاں ابھی پڑھنے والے ہیں۔ وہ کہنے لگی کہ آپ نے پڑھا نہیں؟ مَیں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مَیں نے پڑھنا کیوں نہیں تھا، مَیں نے پڑھ لیا ہے آپ کے سامنے لیکن میں نے اسے گنتی میں شامل نہیں کرنا کیونکہ میرے نزدیک یہ بدعت ہے۔ جس پر بہت لمبی چوڑی بحث ہوئی۔ بالآخر میں نے کہا کہ دیکھو حضرت رسول کریم ﷺ نے نہ ایسا کیا نہ کروایا۔ مَیں نے جہاں تک کتابوں میں پڑھا ہے کہ جب حضرت رسول کریم ﷺ فوت ہوئے تھے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ جو کہے گا کہ رسول پاکؐ فوت ہوگئے ہیں میں اس کی گردن تلوار سے اڑا دوں گا تو پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ آیت پڑھی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ...... انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تھا کہ آؤ سارے بیٹھ کر قرآن مجید پڑھ کر بخشیں۔ پھر مَیں نے کہا کہ یہ کلام قرآن مجید جن پر نازل ہوا تھا (کوئی چالیس کے لگ بھگ وہاں عورتیں بیٹھی تھیں) آپ سب میں سے کوئی قسم کھا کر مجھے بتائے کہ سال میں کتنی مرتبہ پڑھ کر اُن کو بخشتی ہو؟ کیا وہ اس کے حقدار نہیں! تو سب عورتیں خاموش رہیں اور کسی نے بھی میری بات کا جواب نہ دیا۔ اور دوسرے کمرے سے مرنے والی کا خاوند بول اٹھا کہ بہن جی! آپ سچ کہتے ہو، یہاں تک تو میں نے بھی پڑھا ہے کہ ہمارے مولویوں نے حلوے کھانے کے لئے یہ باتیں گھڑی ہوئی ہیں۔ مَیں نے کہا کہ یہ مَیں نے ان کے لئے پڑھا ہے اور میں روزانہ پڑھتی ہوں۔ اسی طرح یہ عاجزہ ٹوٹی پھوٹی سواحیلی زبان میں افریقی مردوں اور عورتوں کو بھی تبلیغ کرنے سے گھبراتی نہیں تھی کہ میرے منہ سے کوئی غلط فقرہ نکلا تو یہ لوگ ہنسیں گے بلکہ اس قدر وہ لوگ مجھ سے متاثر تھے کہ مَیں جب کبھی باہر نکلتی، پردہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے پکّا کرتی اور احتراماً وہ ادھر ادھر ہوکر راستہ دیتے کہ یہ خدا کا بندہ ہے۔ مشن ہاؤس کے پاس ایک ٹیکسی سٹینڈ تھا اور اس کے اندر سے گذر کر آگے جانا پڑتا تھا۔ ان افریقن لوگوں نے میرا نام رکھا ہوا تھا ’’موٹو یا مونگو‘‘ جو سواحیلی میں خدا کے بندے کو کہتے ہیں۔ تو اسی طرح مکرم صوفی صاحب کے لئے بھی تبلیغی مواقع پیدا کرتی۔

یوگنڈا میں مجھے سانس کی تکلیف ہوگئی جو ابھی تک بھی ہے۔ 1971ء اگست یا شاید ستمبر میں ہم حضور کے حکم سے واپس پاکستان آگئے اور ہم نے دارالعلوم غربی میں اپنا مکان بنا کر وہاں رہائش اختیار کرلی۔ یہاں پر صدر صاحبہ لجنہ نے تحریک جدید، وقف جدید کی سیکرٹری بنا دیا جو قریباً چھ سال رہی۔ پھر 1977ء میں مجھے حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ نے محلّہ کی صدر بنا دیا اور نو سال تک باوجود سانس کی مستقل بیماری کے خدا تعالیٰ کے فضل سے خوب خوب اس عہدہ کو نبھایا۔ نومبر 1986ء میں مَیں نے صحت زیادہ خراب ہونے پر خود کہہ کر انتخاب کروایا اور اسی لیے بعد میں کوئی عہدہ نہیں لیا۔ لکھنے کو تو بہت کچھ لیکن بہت مختصر اور تھوڑا الکھ رہی ہوں۔ نہ تو اب میں نے تبلیغ چھوڑی ہے نہ میں چھوڑ سکی ہوں اور نہ اللہ تعالیٰ سے تعلق توڑ سکتی ہوں۔ خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے پکا ساتھ ہے پکی دوستی ہے اللہ تعالیٰ سے جو کبھی نہیں چھوٹ سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری حقیر خدمات کو قبول کرے اور مجھے مزید توفیق سے نوازے۔ آمین

ایک واقفِ زندگی کی بیوی کی ڈائری کے چند اوراق

(محمد یوسف ناصر)

خاکسار کی والدہ محترمہ مبشرہ بیگم صوفی صاحبہ کی وفات 4 جنوری 2016ء کو ہوئی۔ آپ مکرم صوفی محمد اسحاق صاحب مبلغ سلسلہ کی اہلیہ تھیں۔ مرحومہ کی وفات کے بعد ان کے کاغذات میں ان کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے حالات زندگی ملے۔ قربانیوں سے عبارت یہ تحریر بڑی ایمان افروز ہے۔ اس کا کچھ حصہ دعا کی اس درخواست کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کے ساتھ مغفرت کا سلوک فرمائے اور اُن کے درجات بلند فرماتا جائے اور ان کی اولاد کو ان نیکیوں کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ رقمطراز ہیں:

میری زندگی کے چند مختصر اوراق

سب سے پہلے تو یہ خاکسار انتہائی عجز اور فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتی ہے کہ میں نے جو کچھ کیا احمدیت کی برکت سے کیا اور حضرت مسیح موعودؑ کے اس الہام کو کہ ''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا'' اپنا مطمع نظر رکھا۔ نیز یہ کہ مجھے شہرت ذرا پسند نہیں۔ اب یہ جو چند لفظ لکھنے کی جسارت کر رہی ہوں یہ بھی مجھے لکھنے پر مجبور کیا گیا ہے ورنہ میرا تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے اور اسی سے خیر کی طالبہ ہوں۔

خاکسار 1934ء مئی قادیان میں پیدا ہوئی۔ میرے والد کا نام چوہدری جان محمد اور دادا کا نام میاں دین محمد تھا جنہیں حضرت مسیح موعودؑ کے ابتدائی صحابہ میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہے اور جو بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔ میرے دادا جان مجھ سے بہت پیار کرتے تھے اور میری دینی تربیت میں ان کا بہت دخل ہے۔ شاید یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ مجھے بچپن میں ہی سچی خوابیں آیا کرتی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ آٹھ یا غالباً نو سال کی عمر میں مَیں نے جیسے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ وہ چہرہ تو آج بھی اسی طرح میرے دل پر نقش ہے لیکن جو نظم درثمین کی اللہ تعالیٰ کو سنائی وہ بھول گئی ہوں۔ یہ میری خواب سن کر میرے دادا جان نے میری امی جان کو کہا کہ اس بچی کی شادی سبز پگڑی والے مبلغ سے ہوگی اور وہ میرے لئے دعا بھی کیا کرتے تھے۔ یہ ان کی دعا ہی کا نتیجہ ہے کہ میری شادی 1952ء میں جولائی میں ایک مربی سلسلہ صوفی محمد اسحاق صاحب کے ساتھ ہوئی جو شادی سے پہلے بھی بسلسلہ تبلیغ قریباً سات سال مغربی افریقہ میں رہ کر آئے تھے اور شادی کے دواڑھائی سال بعد دوبارہ مغربی افریقہ بغرض تبلیغ چلے گئے اور مَیں دو ننھے بچوں کے ساتھ اکیلی کوارٹر تحریک جدید ربوہ میں رہنے لگی۔ پھر کیا تھا! میرا اللہ تھا اور میں تھی۔ دونوں بچے دودھ پینے والے تھے۔ 25 روپے الاؤنس ملتا تھا۔ کوئی بھی عزیز رشتہ دار مدد کرنے والے نہیں تھے سوائے میرے پیارے اللہ تعالیٰ کے۔ نہ میکے والے صاحب حیثیت تھے نہ سسرال والے۔ میں ہی حق داروں کے حق ادا کرنے کی پوری کوشش کر کے ان کے حق ادا کرتی تھی۔ حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ اور حضرت مولانا بقاپوری صاحبؓ کے پاس مَیں دعا کے لئے جایا کرتی تھی۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ انتہائی شفقت سے مجھے پوچھا کرتے تھے کہ کتنا الاؤنس ملتا ہے اور کتنا ایندھن لیتی ہو، کتنا گھی لیتی ہو، کتنا دودھ لیتی ہو؟ ہر چیز بتانے پر پھر کہتے کہ گذارہ کیسے کرتی ہو؟ جس پر میں نے ان کو بتایا کہ میں روزانہ ڈائری لکھتی ہوں جو چیز منگواتی ہوں جب ٹوٹل کرتی ہوں تو وہ زیادہ ہوتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے مجھے نہیں پتہ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ تو اب میں نے حساب لکھنا چھوڑ دیا ہے۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئے۔

ایک واقعہ تحدیث نعمت کے طور پر بیان کرتی ہوں نہ کسی شہرت یا نمود کی خاطر۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ میری ایک بہن بھی میرے پاس تھی اور میرے سسر صاحب بھی ان دنوں میرے پاس تھے۔ سخت گرمی کے روزے تھے۔ درس القرآن سے واپس آئی۔ روزہ رکھا ہوا تھا۔ مہینے کی غالباً 26 یا 27 تاریخ تھی۔ میرے پاس دو پیسے نہ تھے کہ برف منگوا کر ٹھنڈے پانی سے روزہ افطار کرسکوں۔ اسی طرح قرآن مجید بھی ہاتھ میں تھا، برقعہ بھی پہنا ہوا تھا۔ اس قدر مجھ پر رقت طاری ہوئی اور خوب دل کھول کر اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائی کہ میرے پیارے اللہ میاں جی! مَیں کس طرح روزہ افطار کروں! مجھے سمجھ نہیں آئی کہ مجھے کیا ہوا اور مَیں نے پرانے بوسیدہ کپڑوں والا صندوق کھول کر کپڑوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا۔ دو تین کپڑے اٹھائے تھے کہ ایک روپے کا نیا نوٹ مجھے مل گیا جس کو پکڑ کر پہلے تو مَیں نے اسی جگہ کچے فرش کی زمین پر سجدۂ شکر کیا۔ پھر میں نے برف منگوئی اور روزہ افطار کیا بلکہ مہینے کے باقی دن بھی ان پیسوں کے ساتھ گذرے۔ میرے اس واقعہ کا علم گھر میں موجود کسی کو نہیں ہوا، نہ میں نے کسی پر ظاہر ہونے دیا کہ مجھے کوئی پریشانی ہے۔

جب میری نئی نئی شادی ہوئی تو ان دنوں مبلغین کے گذارہ الاؤنس اس قدر قلیل ہوا کرتے تھے کہ موجودہ وقت میں کسی کو یہ یقین نہیں آئے گا کہ ہم پر تنگی کے کیسے سخت دن تھے۔ لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس کے باوجود یہ محض اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اور اس کا فضل ہے، اس کی رحمت ہے کہ اس نے مجھے یہ

ایام پورے صبر اور شکر کے ساتھ بسر کرنے کی توفیق دی اور میرا دھیان اور توکّل ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر ہی رہا۔ فالحمدللّٰہ علیٰ ذالک۔

مکرم صوفی محمد اسحٰق صاحب نے جو پہلا تبلیغی سفر میری شادی کے بعد کیا، وہ قریباً ساڑھے چار سال کا عرصہ تھا۔ یہ عرصۂ جدائی، دو ننھے بچوں کی پرورش، ساتھ سسرال کے حقوق وفرائض اور پھر اپنی کم عمری وناسمجھی کے باوجود میرے پیارے مولیٰ نے مجھے اپنی انگلی پکڑائے رکھی اور قدم قدم پر میرا ساتھ دیا اور اپنے خاص الخاص فضل سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دی۔ جب یہ پہلے دورے سے واپس آئے تو خاکسار نے ان کو گھر میں آنے پر پھولوں کے ہار پہنائے اور پاس کھڑی تھی کہ انہوں نے مجھے پہچانا نہیں تھا اور اپنی والدہ سے پوچھا کہ مبشرہ کہاں ہے؟ تو جتنی میری سہیلیاں مبلغین کی بیگمات آئی ہوئی تھی وہ سب حیران رہ گئیں کہ صوفی صاحب اپنی والدہ سے پوچھ رہے ہیں، انہوں نے پہچانا نہیں۔

اس عرصۂ جدائی میں گھریلو ذمہ داریوں کے علاوہ پانچ وقت نماز کی ادائیگی کے ساتھ تہجد بھی باقاعدہ پڑھتی اور استطاعت بھر نماز ظہر کے بعد اور عشاء کے بعد بیس سے تیس نفل پڑھ کو سوتی۔ پھر الفضل میں میرے میاں کی جو تبلیغی رپورٹ چھپتی اس کے مطابق جتنی بیعتیں ہوتیں، ہر ایک بیعت کے لئے دس نفل شکرانہ کے ادا کرتی۔ پھر صوفی صاحب کو حضور کی طرف سے لائبیریا میں مشن کھولنے کا حکم ملا تو لائبیریا پہنچنے پر ابھی مجھے ان کا خط نہیں ملا تھا کہ میرے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا سارا ایڈریس پہلے بتادیا تھا۔

شادی سے پہلے مَیں اپنے بہن بھائیوں اور والدین سے کبھی ایک رات بھی جدا نہیں ہوئی تھی اور ماشاء اللہ میرے نو بہن بھائی تھے۔ سب سے بڑی پلوٹھی مَیں ہی تھی۔ اسی طرح سسرال میں بھی گھر میں ماشاء اللہ کافی افراد تھے۔ وہ سب لاہور میں رہتے تھے۔ میرے میاں کو جب کوارٹر مل گیا تو مَیں ربوہ آ گئی۔ مجھے یہ بھی یقین نہیں تھا کہ میرے میاں کے جانے کے بعد مجھے تنہا چھوڑ دیا جائے گا۔ بہرحال مَیں بہت ڈرا کرتی تھی۔ ساری رات جاگتے گذرتی۔ دو سال کے بعد ایک عشاء کی نماز کے بعد مَیں نے روکر اپنے پیارے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ مَیں تو میٹھی نیند بھی نہیں سوئی۔ میرے اللہ تعالیٰ کا پیار دیکھیں کہ جب مَیں چارپائی پر لیٹی تو مجھے یوں لگا جیسے مَیں بچے کو گود میں سلاتی تھی اسی طرح میرے پیارے اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی گود میں سلایا۔ وہ اتنی میٹھی نیند تھی کہ میں بیان نہیں کرسکتی۔ اس طرح کی نیند بس کبھی کبھی آتی ہے۔ پھر میں نے خواب میں حضرت رسول کریم ﷺ کو دعا کے لیے کہا کہ میرے لئے دعا کریں کہ میں اپنے میاں کے ساتھ چلی جاؤں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے پاس گئی خواب میں ان کو دعا کے لئے کہا کہ جہاں صوفی صاحب ہیں مَیں ان کے پاس چلی جاؤں۔ پھر جب میرے اللہ کے نزدیک بہتر تھا، یہ واپس آئے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا دیا۔ پھر دوبارہ یہ تبلیغی دورہ پر مشرقی افریقہ، کینیا گئے۔ ان کے جانے کے چھ مہینے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے چوتھا بچہ اور تیسرا بیٹا دیا جس کی پیدائش کے ایک ہفتہ بعد مَیں ایک خطرناک نسوانی مرض میں مبتلا ہوگئی اور تین ہفتے فضل عمر ہسپتال میں داخل رہی۔ معجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔ پورے تین ہفتے کے بعد ہسپتال سے گھر آئی۔ اُن دنوں نہ ہسپتال میں کوئی لیڈی ڈاکٹر تھی، نہ اتنی سہولیات تھیں۔ تیس سال ہو چکے ہیں لیکن میری ٹانگ پر اس بیماری کا اثر اب بھی ہے۔

اس زندگی میں بہت کٹھن مرحلے اور دشوار گذار گھڑیاں بھی آئیں۔ اگر تو دنیا کی نظر سے دیکھوں تو ایک لمحہ کاٹنا بھی مشکل ہوتا تھا لیکن اپنے خدا کا پیار جو چھپا ہوتا ہے اس کے آگے یہ دنیا کی چمک دمک سب ہیچ بیکار لگتی ہے۔ اس میں مزہ تھا بلکہ اب بھی ہے جس میں میرے پیارے اللہ تعالیٰ کے پیار کی نظر مجھ پر اٹھتی ہے۔

اب کی باری یہ جدائی میرے لئے کچھ اَور مشکل محسوس ہوئی کیونکہ اب مجھ پر دو مزید بچوں کی پرورش، دو کی تعلیم کا بھی بوجھ تھا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ اس نے مجھ ناچیز کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازا اور پھر تین سال کے بعد صوفی صاحب کو حکم ملا کہ آ کر اپنے عزیز واقارب سے ملو اور اپنے اہل وعیال کو ساتھ کینیا لے جاؤ جہاں وہ اُن دنوں مبلغ انچارج اور امیر جماعت ہائے کینیا تھے۔ چنانچہ خاکسار ان کے ہمراہ جولائی 1965ء میں نیروبی پہنچی۔ وہاں کی صدر صاحبہ لجنہ نے مجھے ناصرات الاحمدیہ کی سیکرٹری بنا دیا۔ احمدی اور غیر از جماعت 27 بچے میرے پاس قرآن مجید پڑھتے تھے۔ پھر باری باری غیر از جماعت لوگوں کے گھروں میں بغرض تبلیغ بھی جاتی اور صدر صاحبہ کے ساتھ بعض احمدی گھروں میں تربیت اور اصلاح کے لئے بھی جاتی۔ بلکہ میں صدر صاحبہ کو تبلیغ کے لئے غیر احمدی گھروں میں بھی لے جاتی۔ دو سال کے بعد حضور کے حکم سے ہمیں یوگنڈا بھجوادیا گیا جہاں سارے مشرقی افریقہ کا ہمارا پہلا اور تنہا سیکنڈری سکول مشکلات سے دوچار تھا۔ اس لیے یوگنڈا میں مکرم صوفی صاحب نہ صرف یوگنڈا کی احمدی جماعتوں کے امیر ومشنری انچارج تھے بلکہ بشیر سیکنڈری سکول کے مینیجر بھی تھے۔

یوگنڈا میں جاتے ہی مجھے یوگنڈا کی صدر لجنہ اماء اللہ مقرر کردیا گیا۔ بعض اوقات یوگنڈا کی تین چار بڑی مجالس کی لجنہ اماء اللہ کے دورہ پر جاتی اور مستورات اور بچوں کی تعلیم وتربیت کا فریضہ بھی ادا کرتی۔ یہاں بھی غیر احمدی بہت سارے بچے قرآن بھی پڑھتے اور پھر ان سب کے گھروں میں باری باری تبلیغ کے لئے بھی جاتی بلکہ ساتھ اپنے میاں کو بھی لے جاتی اور پردے میں بیٹھ کر خوب تبلیغ ہوتی۔ پینسٹھ سال کی ایک احمدی عورت کو بھی قرآن پڑھایا۔ پھر بعض بچوں کے باپ پیغام بھجوادیتے کہ آپ آئیں اور فلاں فلاں مسئلہ ہماری بیوی کو سمجھائیں۔ اسی طرح ایک غیر احمدی سنّی جو ہماری جماعت کا سخت مخالف تھا بلکہ وہاں کی جماعت نے مجھے بتایا کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فوت ہوئے تھے تو اس شخص نے مٹھائی بانٹی تھی، اتفاق کی بات ہے کہ مجھ خاکسار کے ساتھ اس کی بیوی کی دوستی ہوگئی اور آہستہ آہستہ وہ مجھ سے اس قدر متاثر ہوئی کہ اس کے تین بچے میرے پاس قرآن مجید پڑھنے کے لئے آنے لگے۔ دو بچوں نے مکمل کرلیا اور وہ ابھی دہرائی کررہے تھے جبکہ ایک ابھی پڑھ رہا تھا کہ ان بچوں کی والدہ جو اپنی ماں کی اکلوتی بیٹی تھی فوت ہوگئی۔ وہ قریباً دس دن ہسپتال رہی اور روزانہ اس کا میاں آتا اور دعا کے لئے کہتا لیکن وہ بچاری دس دن کے بعد اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوگئی۔ افسوس کے لئے لوگ بھی جاتے تھے، اسی طرح مَیں بھی گئی۔ حسب دستور انہوں نے سیپارے رکھے ہوئے تھے۔ جو عورت آتی اس کو سیپارہ پڑھنے کے لئے دیا جاتا۔ چنانچہ مجھے بھی دیا جو مَیں نے لے کر آرام سے پڑھ لیا۔ جب مَیں واپس رکھنے لگی تو مرنے والی کی امی نے مجھے کہا کہ یہ تو ابھی نہیں پڑھے گئے، آپ ادھر رکھیں جو پڑھے گئے

باقی صفحہ 16 پر ملاحظہ فرمائیں

صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق الٰہی

مجلس انصاراللہ برطانیہ کے سالانہ مقابلہ مضمون نویسی 2021ء میں شامل ایک مضمون

(ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز)

صحابہ کرامؓ کا عشق الٰہی ایک ایسا وسیع اور بابرکت مضمون ہے جس پر کئی کتب لکھی جاسکتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں آپ کے صحابہ آپ کے رنگ میں ایسے رنگین ہوئے کہ آپ کی صفات کے اُس اعلیٰ درجہ کے نور سے صحابہ کرام کو بھی وافر حصہ ملا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَصۡحَابِیۡ کَالنُّجُوۡمِ، بِاَیِّھِم اقۡتَدَیۡتُمۡ اِھۡتَدَیۡتُمۡ

ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ تم ان میں سے جن کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤ گے۔ (صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ: 2/308)

صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں عشق الٰہی میں ایسے مخمور ہوئے کہ پھر انہیں کسی اور محبت کی رغبت ہی نہ رہی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ:166)

ترجمہ: ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں کہ خدا کی محبت پر ہر شے قربان کردیتے ہیں اور اِس محبت کو کسی شے پر قربان نہیں کرتے اور جہاں خدا کی اور غیر کی محبت کے تقاضوں کا مقابلہ ہو وہاں محبتِ الٰہی کے تقاضے کو ترجیح دیتے ہیں۔ بلا شبہ محبتِ الٰہی عظیم سعادت اور اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔ قرآن کریم کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام عبادات کی اصل محبتِ الٰہی ہے، مثلاً نماز کے متعلق فرمایا:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ (طٰہٰ:15)

ترجمہ: اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر۔

یونہی زکوٰۃ وصدقات کا معاملہ ہے کہ مال کی محبت سے اوپر درجے کی محبت خدا کے ساتھ ہوتی ہے تو بندہ اپنا محبوب مال راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے چنانچہ فرمایا:

وَیُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡنًا وَّ یَتِیۡمًا وَّ اَسِیۡرًا۔ اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ لِوَجۡہِ اللّٰہِ لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوۡرًا۔ (الدھر:9،8)

ترجمہ: اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں خاص اللہ کی رضا کے لئے کھانا دیتے ہیں، ہم تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے۔

روزے میں بھی محبت کی جلوہ گری ہے کہ بھوک پیاس برداشت کرنا تو بہت نمایاں علامتِ محبت ہے کہ خدا کی خاطر حلال کھانا پینا اور جنسی خواہشات کو قربان کردیا جاتا ہے۔ اسی کی طرف حدیث قدسی میں یوں اشارہ فرمایا گیا:

الصوم لی وانا اجزی بہ ترجمہ: روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا یا میں خود ہی اس کی جزا ہوں۔ (مسلم ص448، حدیث:2708)

یونہی حج تو پورے کا پورا سفرِ محبت ہے کہ ظاہری اعتبار سے بے سلے کپڑے پہننا، خانہ کعبہ کے گرد چکر لگانا، منٰی و مزدلفہ وعرفات کے میدان میں جاکر کچھ دیر ٹھہرنا اور واپس چلے آنا ظاہری طور پر عقل میں نہیں آتا لیکن نظرِ محبت میں یہ سب محبوب کے حکم پر عقل قربان کرنے کی صورتیں ہیں اسی لئے حج کے حکم کی ابتدا ہی یوں ہے: وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ (اٰلِ عمران:98)

”ترجمہ: اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔“

قرآن مجید میں محبتِ الٰہی کی علامات کو مختلف پیرائے میں بیان فرمایا ہے مثلاً محبت کی ایک نشانی یہ ہے کہ مُحِب اپنے محبوب کے لیے جان، مال، اولاد، گھر بار سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوجائے اس کی عملی مثال سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سیرت طیبہ میں بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب آپؑ کو حکم دیا کہ (بڑھاپے میں عطا کئے جانے والے) اپنے بیٹے اسماعیل اور اپنی زوجہ حضرت ہاجرہؓ کو ایک بیابان (ویرانے) میں چھوڑ آؤ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بلا تردد حکمِ الٰہی پر عمل کرتے ہوئے مکّے کے چٹیل میدان جہاں دور دور تک کوئی سایہ دار درخت اور پانی نہ تھا، اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑ آئے۔ قرآن مجید میں آپؑ کے الفاظ یوں مذکور ہیں: رَبَّنَاۤ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ (ابراھیم:38)۔ ترجمہ: اے میرے ربّ! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں ٹھہرایا ہے جس میں کھیتی نہیں ہوتی۔

بیابان میں تنہا چھوڑی جانے والی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی خدا سے محبت اور حکم وقضا پر راضی رہنے کا جذبہ ملاحظہ فرمائیں کہ بخاری شریف میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بیٹے کو تنہا چھوڑ کر چل دیئے تو حضرت ہاجرہؓ نے بار بار سوال کیا کہ ہمیں یہاں کہاں چھوڑ کر جارہے ہیں؟ کوئی جواب نہ ملنے پر آخر میں پوچھا کہ کیا یہی اللہ کا حکم ہے؟ آپؑ نے کہا: ہاں! تب حضرت ہاجرہؓ نے نہایت ایمان افروز جملہ کہا: ٹھیک ہے، تب تو اللہ ہم کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔

(بخاری، ج2، ص424، حدیث:3364)

پھر محبتِ الٰہی کے اُس لازوال، بے مثال واقعے پر نظر دوڑائیں کہ چشم فلک نے تسلیم ورضا اور محبتِ الٰہی کا ایسا شاہکار کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ حکمِ ربانی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام عزیز ومحبوب بیٹے اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہوگئے اور بیٹے سے فرمایا: ترجمہ: اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کررہا ہوں۔ اب تو دیکھ کہ تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے

کہا: اے میرے باپ! آپ وہی کریں جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔ اِنْ شَاءَ اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔'' (الصّٰفّٰت:103)

باپ اپنے بیٹے کو خدا کے حکم پر ذبح کرنے کو تیار ہے اور بیٹا گردن پر چھری چلوانے کے لیے راضی ہے۔ سبحان اللہ، اس سے بڑھ کر محبتِ الٰہی کے لیے بندہ کیا قربان کر سکتا ہے۔

محبتِ الٰہی کی ایک اور نشانی محبوب حقیقی کی عبادت سے محبت کرنا بھی ہے۔ قرآن مجید میں ان مقربین بارگاہِ الٰہی کا راتوں کو جاگنا، بستروں سے جدا رہنا، نیند قربان کرنا اور راحت و آرام لُٹا دینا کئی آیات میں مذکور ہے۔ چنانچہ فرمایا: كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ۔ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (الذّٰریٰت:17،18)

ترجمہ: وہ (تقویٰ و احسان والے) رات میں کم سویا کرتے تھے اور رات کے آخری پہروں میں بخشش مانگتے تھے۔

اور ایک جگہ فرمایا: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا۔ (السجدۃ:16)

ترجمہ: ان (مومنین کاملین) کی کروٹیں ان کی خوابگاہوں سے جدا رہتی ہیں اور وہ ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں۔''

راتوں کو جاگ کر محبوبِ حقیقی کی ملاقات و مناجات کے شوق میں سجدہ و قیام میں رات گزارنا محبت کے سچے اور غالب جذبے کے بغیر بہت مشکل ہے۔

''عبادت سے محبت'' میں تلاوت، ذکر، نماز سب اعمال کی محبت شامل ہے اور محبوب حقیقی کا پاک مبارک کلام قرآن کریم سن کر آنسو بہانا بھی اسی میں داخل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ترجمہ: اور جب یہ سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے اُبل پڑتی ہیں اس لیے کہ وہ حق کو پہچان گئے۔ (المائدۃ:83)

ذکر الٰہی کی کثرت تو محبت کی اعلیٰ علامت ہے۔ حدیث میں ہے: ترجمہ: یعنی جو جس سے محبت کرتا ہے وہ اسے بڑی کثرت سے یاد بھی کرتا ہے۔

اسی لئے قرآن مجید میں کثرتِ ذکر کا بار بار تذکرہ ہے چنانچہ فرمایا: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرۃ:152) ''تو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔''

سَيِّدُ الْمُحِبِّين حضور پُرنور ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کا عمل مبارک یہ تھا کہ وہ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ محبوب سے ہم کلام ہونا اور اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا اہل محبت کی معراج، آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی راحت ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور فرمایا، نماز مومن کی معراج ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب المساجد، ج2، ص452، تحت الحدیث:746)

اوپر بیان کردہ تمام علامات کی روشنی سے صحابہ کرامؓ کی زندگی ایسی منور تھی کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو ان چمکتے ہوئے ستاروں سے تشبیہ دی کہ ان میں جن کی بھی پیروی کرو گے تم ہدایت پا جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو اخلاق فاضلہ کی ایسی جلا بخشی تھی کہ انہیں کفر، گناہ اور نافرمانی سے دُوری صرف از حکم شریعت نہیں از راہ طبیعت بھی حاصل ہو چکی تھی۔ شریعت کے تقاضے ان کی طبیعت بن چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ان کے دلوں کی طلب اور زینت بنا دیا تھا۔ اس عقیدہ پر قرآن کریم کی کھلی شہادت موجود ہے کہ

وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ۔ (سورۃ الحجرات:8)

''ترجمہ: لیکن اللہ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں سجا دیا ہے اور تمہارے لئے کفر اور بداعمالی اور نافرمانی سے سخت کراہت پیدا کر دی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔''

دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا کہ صحابہ نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے راہِ حق میں کیا۔ انھوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اس راہ سے انہوں نے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی قربانیوں اور ان کے مقام و مرتبہ اور اللہ تعالیٰ کے ان پر انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سارا مال و متاع خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دیا اور آپ نے کمبل پہن لیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر انہیں کیا دیا۔ تمام عرب کا انہیں بادشاہ بنا دیا اور اسی کے ہاتھ سے اسلام کو نئے سرے سے زندہ کیا اور مرتد عرب کو پھر فتح کر کے دکھا دیا اور وہ کچھ دیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔''

فرماتے ہیں: ''غرض ان لوگوں کا صدق و وفا اور اخلاص و مروّت ہر مسلمان کے لئے قابل اُسوہ ہے۔ صحابہؓ کی زندگی ایک ایسی زندگی تھی کہ تمام نبیوں میں سے کسی نبی کی زندگی میں یہ مثال نہیں پائی جاتی...۔'' فرماتے ہیں کہ ''اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان اپنی خواہشوں اور اغراض سے الگ ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور نہیں آتا وہ کچھ حاصل نہیں کرتا بلکہ اپنا نقصان کرتا ہے۔ لیکن جب وہ تمام نفسانی خواہشات اور اغراض سے الگ ہو جاوے اور خالی ہاتھ اور صافی قلب لے کر خدا تعالیٰ کے حضور جاوے تو خدا اس کو دیتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کی دستگیری کرتا ہے۔ مگر شرط یہی ہے کہ انسان مرنے کو تیار ہو جاوے اور اس کی راہ میں ذلّت اور موت کو خیر باد کہنے والا بن جاوے''۔ فرمایا ''دیکھو دنیا ایک فانی چیز ہے۔ (کوئی اس میں مستقل نہیں رہتا) مگر اس کی لذت بھی اسی کو ملتی ہے جو اس کو خدا کے واسطے چھوڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کا مقرّب ہوتا ہے خدا تعالیٰ دنیا میں اس کے لئے قبولیت پھیلا دیتا ہے۔ یہ وہی قبولیت ہے جس کے لئے دنیا دار ہزاروں کوششیں کرتے ہیں کہ کسی طرح کوئی خطاب مل جاوے یا کسی عزت کی جگہ یا دربار میں کرسی ملے اور کرسی نشینوں میں نام لکھا جاوے۔ غرض تمام دنیوی عزتیں اسی کو دی جاتی ہیں اور ہر دل میں اسی کی عظمت اور قبولیت ڈال دی جاتی ہے جو خدا تعالیٰ کے لئے سب کچھ چھوڑنے اور کھونے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ نہ صرف آمادہ بلکہ چھوڑ دیتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے واسطے کھونے والوں کو سب کچھ دیا جاتا ہے۔'' (ملفوظات جلد 5 صفحہ 398-399 مع حاشیہ۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

یہ صدق و وفا اور اخلاص و مروّت دکھانے والوں کے نمونے ہمیں اس شان سے نظر آتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی قوتِ قدسی نے نہ صرف ان کی محبتوں کے رخ بدل دیئے۔ پہلے محبتوں کے رُخ کسی اَور طرف تھے پھر اَور طرف کر دیئے۔ دنیا سے خدا کی طرف کر دیے۔ بلکہ ان محبتوں کے پیمانوں کو وہ عروج عطا کر دیا، وہ بلندیاں دے دیں جس کی مثال دنیا میں پہلے نہیں ملتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کس خوبصورتی سے اس عروج اور بلندی کی مثال دی ہے کہ فرمایا کہ ان کے اس معیار محبت اور قربانی کی سابقہ انبیاء کی زندگی میں بھی

مثال نہیں پائی جاتی۔ اور جہاں تک نبیوں کے ماننے والوں کا سوال ہے تو ان کی شان کیا، ان کی حالت تو صحابہ کے مقابلہ میں بہت ہی گری ہوئی تھی۔ یہ صحابہ اپنی تمام نفسانی خواہشات سے پاک تھے۔ صاف دل ہو کر اور اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہو کر صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لئے اپنی زندگیاں گزارنے والے تھے اور جب یہ حالت ہو تو پھر خدا تعالیٰ بھی نوازتا ہے اور بے انتہا نوازتا ہے اور ہم صحابہ کی زندگی میں یہ باتیں دیکھتے ہیں۔ بعض صحابہ کے واقعات پیش کرتا ہوں کہ کس طرح انہوں نے اپنے نفسوں کو خدا تعالیٰ کے ماتحت کر لیا تھا۔ کیا نمونے انہوں نے دکھائے۔

حضرت عَبّاد بن بشرؓ ایک انصاری صحابی تھے۔ عین جوانی میں تقریباً پینتالیس سال کی عمر میں ان کو شہادت نصیب ہوئی تھی۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد 3 صفحہ 46 عباد بن بشرؓ دار الفکر بیروت 2003ء)، (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد 3 صفحہ 496 عباد بن بشرؓ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2005ء) ان کی عبادت اور عشق الٰہی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت جاگے تو مسجد سے قرآن کریم کی تلاوت کی آواز آ رہی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لئے بہت جلدی جاگا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ آواز عَبّاد کی ہے؟ حضرت عائشہ کہتی ہیں مَیں نے عرض کی کہ انہی کی آواز لگتی ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی کہ اے اللہ! عَبّاد پر رحم کر۔ (صحیح البخاری کتاب الشہادات باب شہادۃ الاعمی... الخ حدیث 2655)

کتنے خوش نصیب تھے وہ لوگ جو اپنی راتیں عبادت خداوندی میں گزار کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو براہ راست حاصل کرنے والے بنے۔ اور راتوں کو اٹھ کر وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اور اس کی رحمتوں کو حاصل کرنے کے لئے پکارتے تھے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عشق الٰہی اور دین کی خاطر عظیم الشان قربانی کا ذکر کرتے ہوئے ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ:

''محبت ایک ایسی شے ہے کہ وہ سب کچھ کرا دیتی ہے۔ ایک شخص کسی پر عاشق ہوتا ہے تو معشوق کے لئے کیا کچھ نہیں کر گزرتا۔'' پھر دنیا والوں کی ایک مثال دی کہ ''ایک عورت کسی پر عاشق تھی۔ اس کو کھینچ کھینچ کر لاتے تھے اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ ماریں کھاتی تھی مگر وہ کہتی تھی کہ مجھے لذّت ملتی ہے۔ جبکہ جھوٹی محبتوں، فسق و فجور کے رنگ میں جلوہ گر ہونے والے عشق میں مصائب اور مشکلات کے برداشت کرنے میں ایک لذت ملتی ہے۔'' آپ فرماتے ہیں (دنیاداروں کا یہ حال ہے) ''تو خیال کرو کہ وہ جو خدا تعالیٰ کا عاشق زار ہو، اس کے آستانۂ اُلوہیت پر نثار ہونے کا خواہشمند ہو وہ مصائب اور مشکلات میں کس قدر لذت پا سکتا ہے۔''

آپ فرماتے ہیں کہ ''صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت دیکھو۔ مکّہ میں ان کو کیا کیا تکلیفیں پہنچیں۔ بعض ان میں سے پکڑے گئے۔ قسم قسم کی تکلیفوں اور عقوبتوں میں گرفتار ہوئے۔ مرد تو مرد بعض مسلمان عورتوں پر اس قدر سختیاں کی گئیں کہ ان کے تصوّر سے بدن کانپ اٹھتا ہے۔ اگر وہ مکّہ والوں سے مل جاتے تو اس وقت بظاہر وہ ان کی بڑی عزت کرتے کیونکہ وہ ان کی برادری ہی تو تھے۔ مگر وہ کیا چیز تھی جس نے ان کو مصائب اور مشکلات کے طوفان میں بھی حق پر قائم رکھا۔ وہ وہی لذت اور سرور کا چشمہ تھا جو حق کے پیار کی وجہ سے ان کے سینوں سے پھوٹ نکلتا تھا۔''

پھر آپ اس واقعہ کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک صحابی کی بابت لکھا ہے کہ جب ان کے ہاتھ کاٹے گئے تو انہوں نے کہا کہ میں وضو کرتا ہوں۔ اس وقت اس نے دعا کی کہ یا اللہ! آنحضرت ﷺ کو خبر پہنچا دے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت مدینہ (میں) تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے جا کر السلام علیکم کہا۔ آپ نے علیکم السلام کہا اور اس واقعہ پر اطلاع ملی۔ غرض اس لذت کے بعد جو خدا تعالیٰ میں ملتی ہے ایک کیڑے کی طرح کچل کر مر جانا منظور ہوتا ہے۔'' (جس طرح ان صحابی نے کہا تھا میں نے ربّ کعبہ کو پا لیا۔ جو انتہا تھی عشق کی وہاں میں پہنچ گیا۔) فرماتے ہیں کہ ''اور مومن کو سخت سے سخت تکالیف بھی آسان ہی ہوتی ہیں۔ سچ پوچھو تو مومن کی نشانی ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ مقتول ہونے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو کہہ دیا جاوے کہ یا نصرانی ہو جا یا قتل کر دیا جائے گا۔ اس وقت دیکھنا چاہیے کہ اس کے نفس سے کیا آواز آتی ہے؟ آیا وہ مرنے کے لئے سر رکھ دیتا ہے یا نصرانی ہونے کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر (وہ) مرنے کو ترجیح دیتا ہے تو وہ مومن حقیقی ہے ورنہ کافر ہے۔ غرض ان مصائب میں جو مومنوں پر آتے ہیں اندر ہی اندر ایک لذت ہوتی ہے۔ بھلا سوچو تو سہی کہ اگر یہ مصائب لذت نہ ہوتے تو انبیاء علیہم السلام ان مصائب کا ایک دراز سلسلہ کیونکر گزارتے۔''

(ماخوذ از ملفوظات جلد 2 صفحہ 308-309۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

صحابہ کی ایسی مثالیں ہیں کہ ان میں آنحضرت ﷺ کی قوت قدسی نے ایک ایسی روح پھونک دی تھی کہ جاتے ہوئے بھی یہ کہتے تھے، مرتے ہوئے یہ کہتے تھے جیسا کہ ہم نے سنا کہ کعبہ کے رب کی قسم ہم کامیاب ہو گئے۔ ہم نے خدا کو پا لیا۔ لیکن یہ وہ لوگ تھے جو نیکیاں کرنے والے تھے۔ جن پر جب ظلم کئے جاتے تھے تو اس ظلم کی خاطر قربانیاں دیتے تھے نہ کہ خود ظالم بن کر ظلم کرتے جس طرح کہ آج کل کے بعض گروہوں نے کام شروع کیا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ ہم شہید ہو گئے یا شہید ہو جائیں گے تو جنت میں چلے جائیں گے۔ یہ وہ لوگ نہیں تھے۔ یہ لوگ ظلم کے خلاف جنگ کرنے والے تھے۔ ظلم پھیلانے والے نہیں تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو ایک انصاری صحابی تھے جن کے بارے میں یوں بیان ہوا ہے کہ اُحد کی جنگ میں جاتے ہوئے انہوں نے اپنے بیٹے کو کہا کہ سب سے پہلے مجھے شہادت حاصل ہو گی۔ شاید انہوں نے خواب دیکھی تھی یا اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا۔ کہنے لگے کہ میری موت کے بعد تم اپنی بہنوں کا خیال رکھنا۔ ان کی بیٹیاں تھیں۔ اور ایک یہودی سے مَیں نے قرض لیا ہوا ہے۔ وہ قرض میرے کھجور کے باغات میں سے ادا کر دینا جب اس کی آمد آئے گی۔ (صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ھل یخرج المیت من القبر واللحد لعلۃ حدیث 1351، کتاب المناقب باب علامات النبوۃ حدیث 3580)

یہ تھا اللہ تعالیٰ سے محبت اور تقویٰ، پاکیزگی اور حقوق کی ادائیگی کا معیار۔ جنگ میں جا رہے ہیں۔ جان کی کوئی پروا نہیں ہے۔ کوئی فکر نہیں۔ بلکہ اس بات کی خوشی ہے کہ میں شہید ہونے والوں میں سے پہلے شہادت کی سعادت پانے والا ہوں یا پاؤں گا۔ یہ خوف نہیں کہ میری جوان بیٹیاں ہیں ان کے حقوق بھی ادا کرنے ہیں۔ ان حقوق کی ادائیگی کے لئے ایک تو توکّل علی اللہ ہے۔ اللہ پر توکل کیا۔ پھر بیٹے کو نصیحت کی کہ اب تم نے گھر کا بڑا بن کر ان فرائض کو پورا کرنا ہے اور بہنوں کا خیال رکھنا ہے۔ اور پھر قرض کی ادائیگی کی بھی فکر ہے کہ یہودی سے قرض لیا ہوا ہے اس کا سامان بھی مَیں تمہیں نہیں کہتا کہ تم اپنی ذات سے کرو بلکہ ان شاء اللہ تعالیٰ باغات کی آمد سے ادا ہو جائے گا۔ تم پر بوجھ نہیں ڈال رہا۔ ہاں ایک فرض سے تمہیں

آگاہ کر رہا ہوں۔ ایک اسلامی حکم سے تمہیں آگاہ کر رہا ہوں کہ قرض کی ادائیگی کرنی ضروری ہے اور قرض اتار کر پھر ہی تم میری جائیداد کے وارث بن سکتے ہو۔ پہلی بات اور پہلا حکم یہی ہے کہ قرض اتارو۔

حضرت عبداللہ کی شہادت اور قربانی کو بھی کس طرح اللہ تعالیٰ نے نوازا۔ اس کا ذکر یوں ملتا ہے کہ حضرت عبداللہ کے بیٹے کو افسردہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے تعزیت فرمانے کے بعد فرمایا کہ مَیں تمہیں ایک خوش کرنے والی بات بتاتا ہوں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو شہادت کے بعد اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا کہ مجھ سے جو چاہو خواہش کرو مَیں تمہیں عطا کروں گا۔ حضرت عبداللہ نے اپنے ربّ سے عرض کیا کہ اے میرے خدا! میں نے حقِ بندگی تو ادا نہیں کیا۔ تیرے سامنے خواہش کس منہ سے کروں۔ حالانکہ آپ کے عبادتوں کے معیار تھے، قربانیوں کے معیار تھے۔ لیکن پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ مَیں نے تیرا حقِ بندگی تو ادا نہیں کیا۔ پھر کس منہ سے تیرے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کروں۔ تیرا رحم اور فضل ہے جو عطا کر دے۔ پھر عرض کیا کہ خواہش میری اگر پوچھتا ہے اے اللہ! تو یہی خواہش ہے کہ مجھے تُو پھر دنیا میں لوٹا دے تا کہ مَیں پھر تیرے نبی کے ساتھ ہو کر دشمن کا مقابلہ کروں اور پھر شہید ہو کر آؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مَیں یہ فیصلہ کر چکا ہوں جس کو ایک دفعہ موت دے دوں وہ دوبارہ دنیا میں لوٹایا نہیں جاتا۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 389 حدیث 15756 کتاب المناقب باب فی عبداللہ بن عمرؓ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

پس یہ لوگ ایمان میں بڑھے ہوئے تھے۔ یقین میں بڑھے ہوئے تھے۔ کسی بھی صحابی کے واقعہ کو لے لیں۔ وہ اخلاص اور وفا اور خدا تعالیٰ کی خاطر جان کے نذرانے پیش کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی قوت قدسی کی وجہ سے صحابہ کا ایمان ہر وقت بڑھتا ہی جاتا تھا۔ ان صحابہ کے عام روز کے معاملات بھی عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول کے عجیب نظارے دکھاتے تھے۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ کسی طرح کوئی موقع ملے اور ہم اپنی محبت کا اظہار کریں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کس طرح عام حالات میں آنحضرت ﷺ سے محبت و وفا کا اظہار کریں۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ اپنے بیٹے حضرت جابر کے ہاتھ گھر میں پکی ہوئی کوئی میٹھی چیز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھجوائی۔ جب وہ واپس آئے تو بیٹے سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ ارشاد فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ جابر گوشت لائے ہو۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ میرے آقا کو گوشت کی خواہش ہے۔ اسی وقت گھر کی ایک بکری ذبح کی اور پھر گوشت بھون کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھجوایا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے خاندان کو بھی دعا سے نوازا۔

(الجامع لشعب الایمان جلد 8 صفحہ 62-63 حدیث 5503 مطبوعہ مکتبۃ الرشد ناشرون ریاض 2003ء)

تو یہ تھے وہ صحابہ جو ترقی کرتے کرتے اپنے انتہائی مقام کو پہنچے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ”چونکہ ترقی تدریجاً ہوتی ہے اس لئے صحابہ کی ترقیاں بھی تدریجی طور پر ہوئی تھیں۔“ فرماتے ہیں کہ ”آپ صحابہ کو دیکھ کر (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو دیکھ کر) چاہتے تھے کہ پوری ترقیات پر پہنچیں۔ لیکن یہ عروج ایک وقت پر مقدر تھا۔“ (یعنی تدریجی ہوتا ہے) ”آخر صحابہ نے وہ پایا جو دنیا نے کبھی نہ پایا تھا اور وہ دیکھا جو کسی نے نہ دیکھا تھا۔“

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 52۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک موقع پر صحابہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بڑے سیدھے سادے تھے جیسے کہ ایک برتن قلعی کروا کر صاف اور ستھرا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ان لوگوں کے دل تھے جو کلام الٰہی کے انوار سے روشن اور کدورت نفسانی کے زنگ سے بالکل صاف تھے۔ گویا قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا کے سچے مصداق تھے۔“ (ملفوظات جلد 6 صفحہ 15۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پھر آپ فرماتے ہیں کہ:

”صحابہ نے اس قدر صدق دکھایا اور انہوں نے نہ صرف بُت پرستی اور مخلوق پرستی سے ہی منہ موڑا“ (نہ صرف بت پرستی سے اور مخلوق پرستی سے یعنی لوگوں کو پوجنے سے اور لوگوں کی خوش آمدیں کرنا یا ان کی منّتیں کرنا یہ بھی پوجنا ہی ہوتا ہے۔) ”بلکہ درحقیقت ان کے اندر سے دنیا کی طلب ہی مسلوب ہوگئی اور وہ خدا کو دیکھنے لگ گئے۔ وہ نہایت سرگرمی سے خدا تعالیٰ کی راہ میں ایسے فدا تھے کہ گویا ہر ایک ان میں سے ابراہیم تھا۔“ (ملفوظات جلد 6 صفحہ 137۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ (النور:38)۔ (قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنہیں نہ کوئی تجارت اور نہ کوئی خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل کرتی۔)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے صحابہ کی فضیلت بیان فرمائی۔ چنانچہ فرمایا: ”یہ ایک ہی آیت صحابہ کے حق میں کافی ہے کہ انہوں نے بڑی بڑی تبدیلیاں کی تھیں اور انگریز بھی اس کے معترف ہیں کہ ان کی کہیں نظیر ملنا مشکل ہے۔ بادیہ نشین لوگ اور اتنی بہادری اور جرأت تعجب آتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 304۔ ایڈیشن 1985ء)

فرماتے ہیں: ”وہ ایسے مرد ہیں کہ ان کو یادِ الٰہی سے نہ تجارت روک سکتی ہے اور نہ بَیع مانع ہوتی ہے یعنی محبت الٰہیہ میں ایسا کمال تام رکھتے ہیں کہ دنیوی مشغولیاں گو کیسی ہی کثرت سے پیش آویں ان کے حال میں خلل انداز نہیں ہوسکتیں۔“ (براہین احمدیہ، جلد اوّل صفحہ 617 حاشیہ)

پھر آپ فرماتے ہیں کہ: ”یاد رکھو کہ کامل بندے اللہ تعالیٰ کے وہی ہوتے ہیں جن کی نسبت فرمایا ہے لَا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ۔ جب دل خدا کے ساتھ سچا تعلق اور عشق پیدا کر لیتا ہے تو وہ اس سے الگ ہوتا ہی نہیں۔ اس کی ایک کیفیت اس طریق پر سمجھ میں آسکتی ہے کہ جیسے کسی کا بچہ بیمار ہو تو خواہ وہ کہیں جاوے، کسی کام میں مصروف ہو، مگر اس کا دل اور دھیان اسی بچہ میں رہے گا۔ اسی طرح جو لوگ خدا کے ساتھ سچا تعلق اور محبت پیدا کرتے ہیں وہ کسی حال میں بھی خدا کو فراموش نہیں کرتے۔“ (ملفوظات جلد 7 صفحہ 20-21۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے وہ سچا تعلق اور عشق خدا تعالیٰ سے پیدا کر لیا تھا کہ سوال ہی نہیں تھا کہ وہ کسی طرح بھی خدا تعالیٰ سے غافل ہوں یا کسی بھی قربانی سے وہ دریغ کرنے والے ہوں۔ صحابہ کی بہت سی مثالیں ہیں۔ حضرت خَبَاب کے بارے میں آتا ہے جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ کا اتنا خوف اور خشیت تھی کہ انہوں نے اپنا کفن دیکھنے کے لئے منگوایا اور دیکھا تو وہ ایک عمدہ کپڑے کا کفن تھا۔ اپنے عزیزوں سے کہا کہ اتنا عمدہ کفن مجھے دو گے؟ اور رو پڑے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ کو ایک چادر کفن کے لئے میسر ہوئی تھی اور وہ بھی اتنی چھوٹی کہ پاؤں ڈھانکتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ سر ڈھانپتے تو

پاؤں ننگے ہوجاتے تھے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر پاؤں کو گھاس سے ڈھانپ دیا گیا۔ پھر انتہائی خشیت سے کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک دینار یا درہم کا بھی میں مالک نہیں تھا اور آج رسول اللہ ﷺ کے فیض کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے انعامات کی وجہ سے، ان قربانیوں کو قبول کرنے کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دی ہے کہ میرے گھر کے کونے میں جو صندوق پڑا ہے اس میں ہی چالیس ہزار درہم پڑے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنا دیا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے اعمال کی جزا اس دنیا میں ہی نہ دے دی ہو اور کہیں آخری زندگی میں جو اجر ہے، اخروی زندگی کے جو اجر ہیں ان سے میں کہیں محروم نہ کر دیا جاؤں۔

اللہ تعالیٰ کی خشیت اور تقویٰ کا یہ مقام تھا کہ اپنے آپ کو انتہائی کمزور سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف تھا، فکر تھی کہ مرنے کے بعد خدا تعالیٰ راضی بھی ہوتا ہے کہ نہیں اور یہی دعا تھی کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 3 صفحہ 88-89 خباب بن الارتؓ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1996ء)

معاذ بن جبل ایک صحابی تھے ان کے بارے میں آتا ہے کہ تہجد ادا کرنے والے اور لمبی عبادت کرنے والے تھے۔ ان کی تہجد کی نماز کا ان کے قریبیوں نے یوں نقشہ کھینچا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے کہ اے میرے مولیٰ! اس وقت سب سوئے ہوئے ہیں۔ آنکھیں سوئی ہوئی ہیں۔ اے اللہ! تُو حیّ و قیّوم ہے میں تجھ سے جنت کا طلب گار ہوں مگر اس میں کچھ سُست رَو ہوں۔ یعنی عمل کرنے میں میں سست ہوں۔ اور آگ سے دور بھاگنے میں کمزور اور ناتواں ہوں۔ مجھے پتا ہے کہ جہنم کی آگ بھی ہے اور اس کے لئے نیکیاں کرنی پڑتی ہیں لیکن اس سے بچنے کے لئے میں بہت کمزور ہوں۔ اے اللہ! تُو مجھے اپنے پاس سے ہدایت عطا کر دے اور وہ ہدایت دے جو مجھے قیامت کے دن بھی نصیب ہو جس دن تُو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔ (اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 402 معاذ بن جبلؓ مطبوعہ دار الفکر بیروت 2003ء)

حضرت کعب بن مالک کے بیٹے حضرت معاذؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت معاذؓ کے ساتھ عجیب سلوک تھا۔ وہ نہایت حسین بھی تھے۔ بہت سخی بھی تھے۔ ان کی دعائیں بھی بہت قبول ہوتی تھیں۔ جو اللہ تعالیٰ سے مانگتے اللہ تعالیٰ انہیں عطا بھی کر دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ان سے خاص معاملہ تھا۔ اگر قرض چڑھتے بھی تھے تو اترنے کے سامان بھی اللہ تعالیٰ فرما دیتا تھا۔ ایک عجیب فہم و فراست اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی ہوئی تھی۔

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد 20 صفحہ 30 تا 32 حدیث 44 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 2002ء)

اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے ان صحابہ کی رسول اللہ ﷺ سے بھی محبت تھی۔ یا رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے ہی خدا تعالیٰ سے بھی محبت پیدا ہوئی تھی کیونکہ آپ کی قوتِ قدسی نے ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کا اِدراک ان لوگوں میں پیدا کیا تھا۔ جیسا کہ ذکر ہوا آنحضرت ﷺ کی قوتِ قدسی نے ان میں ایک انقلاب پیدا کیا تھا ورنہ یہ عشق و محبت کی داستانیں جو ہیں کبھی رقم نہ ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر آنحضرت ﷺ سے جو محبت تھی وہ بھی ایسی کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شمّاس بن عثمان کے بارے میں تاریخ نے ایسا واقعہ محفوظ کیا ہے جو ان کی آنحضرت ﷺ سے محبت کی ایک مثال بن گیا اور اسلام کی خاطر قربانی کے اعلیٰ ترین معیار قائم کرنے کی بھی مثال ہے۔

جنگِ اُحد میں جہاں حضرت طلحہؓ کی عشق و محبت کی داستان کا ذکر ملتا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنا ہاتھ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کے سامنے رکھا کہ کوئی تیر آپ کو نہ لگے وہاں حضرت شمّاس نے بھی بڑا عظیم کردار ادا کیا ہے۔ حضرت شمّاس آنحضرت ﷺ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور ہر حملہ اپنے اوپر لیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت شماس کے بارے میں فرمایا کہ شماس کو اگر میں کسی چیز سے تشبیہ دوں تو ڈھال سے تشبیہ دوں گا کہ وہ اُحد کے میدان میں میرے لئے ایک ڈھال ہی تو بن گیا تھا۔ وہ میرے آگے پیچھے دائیں اور بائیں حفاظت کرتے ہوئے آخر دم تک لڑتا رہا۔ آنحضرت ﷺ جس طرف نظر ڈالتے آپؐ فرماتے ہیں شماس انتہائی بہادری سے وہاں مجھے لڑتے ہوئے نظر آتا۔ جب دشمن آنحضرت ﷺ پر حملے میں کامیاب ہو گیا اور آپ کو غشی کی کیفیت طاری ہوئی۔ آپ گر گئے۔ تب بھی شماس ہی ڈھال بن کر آگے کھڑے رہے یہاں تک کہ خود شدید زخمی ہو گئے۔ اسی حالت میں انہیں مدینہ لایا گیا۔ حضرت اُمّ سلمہؓ نے کہا کہ یہ میرے چچا کے بیٹے ہیں مَیں ان کی قریبی ہوں، رشتہ دار ہوں اس لئے میرے گھر میں ان کی تیمارداری اور علاج وغیرہ ہونا چاہیے۔ لیکن زخموں کی شدت کی وجہ سے ڈیڑھ دو دن بعد ہی ان کی وفات ہوگئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شماس کو بھی اس کے کپڑوں میں ہی دفن کیا جائے جس طرح باقی شہداء کو کیا گیا ہے۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 3 صفحہ 131 شماس بن عثمانؓ، صفحہ 115 طلحہ بن عبیدؓ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1996ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح رنگ میں صحابہ کے مقام کو بھی پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے پاک نمونوں پر چلتے ہوئے خدا تعالیٰ کا حقیقی عشق اپنے دلوں میں پیدا کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص و وفا کا تعلق بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

باقی از صفحہ 16: **محترم بشیر احمد خان رفیق صاحب**

ماموں سید محمد نور صاحب مرحوم کے بارے میں بھی بہت سے تعریفی کلمات لکھے۔

خاکسار کو کئی بار آپ کے گھر بھی جانے کا موقع بھی ملا تو آپ ہمیشہ ہی بہت محبت اور شفقت کا سلوک فرماتے، میرے ماموں جان اور نانا جان مرحومؓ کے بارے میں بہت سے ایمان افروز واقعات سناتے۔ اکثر بتایا کرتے تھے کہ جب میں نے قادیان جا کر تعلیم الاسلام ہائی سکول میں داخلہ لیا تو مَیں اردو یا پنجابی سے بالکل نابلد تھا اس لئے مجھے قادیان میں آباد پٹھان بزرگوں کا سہارا لینا پڑا جن میں محترم سید محمد نور صاحب کابلی (میرے ماموں جان مرحوم) اور خان میر خان صاحب وغیرہ کے علاوہ (میرے نانا جان) حضرت سید احمد نور کابلیؓ بھی شامل تھے۔ ان سب کی پاکیزہ محفلوں میں بیٹھ کر مجھے بہت سکون ملا کرتا تھا۔

مکرم و محترم بشیر احمد رفیق خان صاحب کی شفقت صرف میرے ساتھ ہی نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ آپ کی شفقت، اخلاص اور ہمدردی تو ہر ایک کے ساتھ ایسی ہی ہوا کرتی تھی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کے اہل و عیال پر اپنے بے شمار فضل اور رحمتیں نازل فرمائے اور خوشیوں بھری زندگی دے۔ آمین

حضرت مولوی قدرت اللہ سنوری صاحبؓ کے چند خودنوشت ایمان افروز واقعات

حضرت مولوی قدرت اللہ سنوری صاحبؓ کے نہایت ایمان افروز خودنوشت واقعات ویب سائٹ خادم مسرور ڈاٹ یوکے میں شامل ایک مضمون سے ہدیۂ قارئین ہیں۔

حضرت مولوی صاحبؓ بیان فرماتے ہیں کہ میری پیدائش 1881ء میں ہوئی۔ میرے غیر حقیقی دادا مولوی محمد یوسف صاحب نے 1880ء میں چچا عبداللہ صاحب کو بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ زمانہ کا امام قادیان میں پیدا ہو گیا ہے لیکن اُس وقت کسی کو قادیان کا پتہ معلوم نہ تھا۔ کچھ عرصہ بعد مولوی صاحب نے لاہور کے ایک اخبار میں ایک مضمون پڑھا جو آریوں کے خلاف مرزا غلام احمد صاحب کا تھا اور معلوم ہوا کہ وہ قادیان گورداسپور کے رہنے والے ہیں۔ چنانچہ مولوی عبداللہ صاحب بٹالہ پہنچ کر گیارہ میل کا فاصلہ طے کر کے قادیان پہنچے۔

1889ء میں جب حضورؑ نے بیعت لینے کا اعلان فرمایا تو سنور کے نو آدمیوں نے اسی سال بیعت کی۔

مجھے بچپن میں ہی یہ خیال تھا کہ بیعت ضرور کرنی چاہیے خواہ کسی کی کر لی جائے لیکن جو یہاں قریب ہی ہو کیونکہ اتنی دُور قادیان کون جائے! اگرچہ حضورؑ کا ذکر ہمارے گھروں میں رہتا تھا لیکن والد صاحب چشتیہ خاندان کے ایک سید صاحب سے ارادت رکھتے تھے اور مَیں بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ مَیں نے جب بیعت کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا: جب بالغ ہو جاؤ گے تو بیعت کر لینا۔ وہ قوالی کی مجالس میں بھی مجھے ساتھ لے جایا کرتے۔ نماز تو وہ ضرور پڑھتے لیکن اکثر وقت شطرنج و تاش کھیلتے رہتے۔ ایک دن مَیں اُن کی بیٹھک میں گیا تو پیر صاحب اندر گئے ہوئے تھے اور وہاں اُن کے دو برادرزادے بیٹھے تھے۔ ہم تینوں کھیلنے لگ گئے۔ اس دوران وہ دونوں حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کر کے آپؑ کو گالیاں دینے لگے۔ میں نے کہا کہ ہمارے خاندان کے کئی بزرگوں نے اُن کی بیعت کی ہوئی ہے۔ وہ نیک اور بزرگ ہیں۔ آپ سید زادے ہیں اس لئے فحش کلامی نہ کریں۔ مگر وہ باز نہ آئے۔ تین بار منع کرنے کے بعد مَیں نے اُن دونوں کو مارنا شروع کیا اور وہ مجھے مارنے لگے۔ شور پڑ گیا۔ پیر صاحب تشریف لائے اور پوچھا کیا بات ہے۔ میں نے کہا کہ یہ حضرت مرزا صاحب کو گالیاں دیتے ہیں، گو وہ میرے پیر نہیں لیکن کسی کو پسِ پشت گالیاں نکالنا برا ہے۔ لیکن جب پیر صاحب نے بھی اپنے ہی بچوں کی طرفداری کی تو مَیں ناراض ہو کر وہاں سے چلا آیا اور گھر آ کر بیعت کا خط حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں لکھ دیا۔

حضرت مولوی محمد یوسف صاحبؓ کو (جن کا ذکر ''ازالہ اوہام'' میں ہے) جب میری بیعت کا علم ہوا تو انہوں نے میری تربیت شروع کر دی۔ مجھے نمازوں میں ساتھ لے جاتے اور تہجد ساتھ پڑھاتے۔ آپؓ اس قدر رُعب رکھتے تھے کہ قصبہ سنور میں چودہ مساجد تھیں اور وہ جس مسجد میں جاتے امامت کرا دیتے۔ لوگ ان کے اقتداء میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ ایک دن والدہ صاحبہ نے مجھ سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی بیعت ہو جاؤں مگر مجھے خوف آتا ہے کہ تمہارے والد صاحب مجھ پر ناراض ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ اُن سے دریافت کر لیں کہ قدرت اللہ نے جو عقیدہ اختیار کیا ہے اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ اس سے کیا سلوک کرے گا؟ وہ فرمائیں گے کہ اِس عقیدہ کی وجہ سے یہ جہنم میں جائے گا۔ تو آپ یہ عرض کر دینا کہ میرا ایک ہی بیٹا ہے اگر یہ جہنم میں گیا تو میں جنت میں جا کر کیا کروں گی۔ مجھے اجازت فرماویں کہ میں بیعت کر لوں تا کہ اس کے ساتھ ہی میرا حشر ہو جائے۔ والدہ صاحبہ نے جب والد صاحب کے سامنے یہ بات پیش کی تو وہ ہنس پڑے اور فرمایا اگر تم چاہتی ہو تو بیشک بیعت کر لو۔ میں نے قدرت اللہ کو بھی کچھ نہیں کہا، تم کو بھی کچھ نہیں کہتا۔ چنانچہ والدہ صاحبہ کے کہنے پر مَیں نے ان کی طرف سے بیعت کا خط لکھ دیا۔

مَیں نے اپنے دادا صاحب کو بھی تبلیغ کرنی شروع کی۔ اُن کی عمر قریباً سو سال تھی مگر ان کے قویٰ بالکل صحیح و سالم تھے۔ انہوں نے فرمایا: میں تو لکھا پڑھا نہیں صرف قرآن شریف پڑھ سکتا ہوں، تمہارا والد مولوی ہے اس نے بیعت نہیں کی۔ میں نے کہا: وہ ابھی تحقیق کر رہے ہیں آپ بیعت کر لیں۔ انہوں نے فرمایا: میں مشروط بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بیعت کا خط یوں لکھ دو کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے آ جائیں تو میں بیعت توڑ کر ان کی بیعت میں شامل ہو جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے مشروط بیعت کا خط حضورؑ کی خدمت میں لکھ دیا۔ جس کے جواب میں حضورؑ نے تحریر فرمایا کہ اگر مسیحؑ آ جائیں تو سب سے پہلے مَیں بیعت کروں گا۔

حضرت چوہدری کریم بخش صاحبؓ رائے پور کے نمبردار اور اوّلین صحابہ میں سے تھے۔ برسوں سے قادیان آیا جایا کرتے تھے اور ہر سال ایک دو ماہ وہاں قیام فرماتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ ان کو رہائش کے لئے اپنے مکان کے اندر جگہ دیا کرتے تھے۔ اُن کا چہرہ ایسا نورانی اور اخلاق ایسے پسندیدہ تھے کہ ایک دفعہ مہاراجہ نابھہ مسمّی ہیرا سنگھ صاحب جن کی عمر تقریباً 90 سال کی تھی، نے ریاست

کے ہزار بارہ سو نمبرداروں کو بلایا۔ وہاں چوہدری صاحب سے سوال کیا کہ میاں کریم بخش! ان ہزار بارہ سو آدمیوں میں سرکار کو آپ کے اخلاق اور عادات کیوں اچھے لگتے ہیں؟ چوہدری صاحب نے عرض کیا کہ حضور! مجھے تو اپنی کسی خوبی کا علم نہیں، یہ بات ضرور ہے کہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا مرید ہوں اور وہ اس زمانہ کے لئے اوتار، گورو ہیں۔ اس پر مہاراجہ اُنہیں اپنے محل کے دیوان خانے میں لے گئے جہاں دوسرے گوروؤں کے ساتھ حضرت اقدسؑ کی تصویر بھی شاندار چوکھٹے میں لگی ہوئی تھی۔ پھر فرمایا میاں کریم بخش! یہ تصویر پہلے سے ہمارے پاس ہے۔ تم ایک رقم حضرت مرزا صاحب کے نذرانہ کے لئے لے جاؤ، آمدورفت اور خوراک کا خرچ علیحدہ ملے گا، اور میری طرف سے درخواست کرکے اُن کو ساتھ لے آؤ۔ اُن کی آمدورفت کے اخراجات سب میں برداشت کروں گا۔ میں ضعیف العمر ہوں جا نہیں سکتا۔

چودھری صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے قادیان جا کر وہ رقم حضور کو دیدی اور مہاراج کا پیغام پہنچا دیا۔ حضورؑ نے فرمایا کہ اُن سے عرض کردیں کہ ''کنویں پیاسے کے پاس نہیں جایا کرتے بلکہ پیاسے کنویں کے پاس آیا کرتے ہیں۔'' میں نے واپس نابھ پہنچ کر مہاراجہ سے عرض کر دیا۔ فرمایا: اگر ہم وہاں جاویں تو یہ انگریز ہمیں فوراً گدی سے اتار دیں۔

جن رئیسوں کے پاس میری ملازمت رہی مَیں ان کو دعوت الی اللہ کرتا اور بتاتا کہ خلیفۃ المسیح کی دعائیں خدا قبول کرتا ہے۔ وہ جب کسی مشکل میں ہوتے تو دعا کے لئے خط لکھنے کا کہتے۔ چنانچہ خط لکھا جاتا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیابی ہوتی۔ اس سے اُن پر اثر ہوتا اور وہ بذات خود حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں جا کر ملتے تھے۔ ایک سردار نرنجن سنگھ صاحب نے حضورؓ کی خدمت میں تعبیر کے لئے یہ خواب لکھوایا کہ وہ حضورؓ کی خدمت میں گئے ہیں اور حضورؓ کی دعوت پر کھانا کھانے بیٹھے ہیں تو بہت سے کھانے تھے۔ حضورؓ نے جواباً فرمایا کہ 'مولوی صاحب آپ کے لئے دعا کراتے رہتے ہیں اور میں دعا کر دیتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو میری دعا سے مالی فراخی ملے گی'۔

ایک دفعہ مَیں اور سردار نرنجن سنگھ کسی کام سے لاہور آئے اور وہاں سے حضورؓ کو ملنے قادیان آ گئے۔ حضورؓ نے اُن سے پوچھا: آپ کا کھانا کہاں پکوایا جائے؟ انہوں نے عرض کیا کہ مَیں تو مولوی صاحب کا جوٹھا کھا لیتا ہوں، مجھے پرہیز نہیں ہے۔ پھر حضورؓ نے جو کھانے تیار کروائے وہ تمام وہی تھے جو سردار صاحب کو خواب میں دکھائے گئے تھے۔ سردار صاحب نے عرض کیا کہ حضور کی یادداشت بڑی اچھی ہے۔

سردار صاحب کی سردارنی بیمار تھی۔ ایک رات وہ نہایت مغموم تھے۔ کہنے لگے کہ مہاراجہ صاحب کل ولایت جا رہے ہیں، کئی مہینے میں واپس آئیں گے۔ پرائیویٹ سیکرٹری مجھ سے کچھ ناراض ہیں وہ بعد میں مجھ کو سختی سے حاضر رکھیں گے۔ ایک تو میری بیوی بیمار ہے دوسرے جائیداد کے کاموں میں مجھے آپ کے ساتھ حصہ لینا پڑتا ہے۔ میں نے کہا: اس کا علاج تو ابھی کر دیتا ہوں اور حضرت صاحب کو خط لکھ دیتا ہوں۔ وہ یہ سن کر ہنس پڑے۔ کہا: خط تو تین دن میں قادیان پہنچے گا اور مہاراج کل چلے جاویں گے۔ میں نے عرض کیا کہ ہمیں اس بات کا تجربہ ہے کہ بعض اوقات خط لکھ کر ڈالا گیا اور ... اللہ تعالیٰ نے ہمارے خط کا علم حضورؓ کو دے دیا۔ آپ تجربہ کرلیں۔ چنانچہ ہم نے خط لکھ کر ڈال دیا۔ پھر اگلے روز جب سردار صاحب نے مہاراجہ سے اپنی مجبوری بیان کرکے رخصت مانگی تو مہاراجہ نے غیر متوقع طور پر اُسی وقت انہیں اپنی واپسی تک کی رخصت عطا کردی۔

جن رئیسوں کے پاس میری ملازمت رہی مَیں ان کو دعوت الی اللہ کرتا اور بتاتا کہ خلیفۃ المسیح کی دعائیں خدا قبول کرتا ہے۔ وہ جب کسی مشکل میں ہوتے تو دعا کے لئے خط لکھنے کا کہتے۔ چنانچہ خط لکھا جاتا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیابی ہوتی۔ اس سے اُن پر اثر ہوتا اور وہ بذات خود حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں جا کر ملتے تھے۔

1953ء میں مَیں ناصر آباد (سندھ) میں مینیجر تھا اور فسادات کے دوران میرا بیٹا مسعود احمد لاہور میں تھا۔ مَیں نے خواب میں اُسے بہت پریشان دیکھا۔ اس پر مَیں نے صدقہ دیا اور دعا بھی کی۔ اُدھر فسادات میں مسعود کو جب خطرہ پیدا ہوا کہ دکان لوٹ لی جائے گی تو وہ اپنے کھاتہ جات کو گھر لے آیا اور دکان پر آنا جانا بند کردیا۔ دو تین روز بعد شریروں نے دکان جلا دی اور سمجھا کہ حساب کتاب کی کاپیاں بھی جل گئی ہوں گی۔ مکان کی یہ حالت تھی کہ روزانہ دو دو تین تین دفعہ ہزار ہزار آدمی سڑک پر پہنچ کر گالیاں دیتا لیکن دروازہ نہیں توڑتے تھے اور کہتے تھے کہ اندر صرف دو آدمی ہیں اور ان کے پاس اسلحہ ہے۔ جتنے کارتوس ہوں گے اتنے یہ مار سکتے ہیں۔ نکلنے کے بعد پھر ان کو قابو کیا جاسکتا ہے۔ ایک دن مسعود نے اپنی بیوی کو مالک مکان کی بیوی کے پاس بھجوایا کہ ہمارا ستر ہزار کا مال آپ کے مکان میں پڑا ہے۔ ہم یہ آپ کے سپرد کرتے ہیں۔ براہ مہربانی اپنی موٹر میں ہمیں پولیس لائن تک پہنچا دیں۔ اُس نے اپنے خاوند سے پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ سب احمدیوں کو قتل کرنے کا دن مقرر ہو چکا ہے، مَیں اپنی بیس ہزار کی موٹر کیسے تڑوا لوں! اس پر مسعود نے خود جاکر بھی مالک مکان سے درخواست کی مگر انہوں نے حامی نہ بھری۔ لیکن اگلی صبح قریشی محمد اقبال صاحب موٹر لے کر وہاں پہنچے اور مسعود اور اُس کی بیوی کو صرف چار جوڑے کپڑوں کے ہمراہ پولیس لائن لے گئے۔ دو دن بعد مارشل لاء لگ گیا۔ خطرہ دُور ہوا تو مسعود واپس اپنے گھر گئے تو سارا سامان بدستور پڑا تھا۔ چار پانچ روز کے بعد بازار میں امن ہو گیا تو جا کر دکان کھولی۔ جن لوگوں کے پاس روپیہ تھا اُن سے مطالبہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں بہی کھاتہ دکھاؤ۔ جب دکھایا تو وہ حیران تھے کہ دکان تو ساری جلا دی گئی تھی یہ بہی کھاتہ کہاں پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دکان بھی بچا دی مکان بھی اور جان بھی محفوظ رکھ لی۔